نوادرِ اقبال یورپ میں

ڈاکٹر سعید اختر درّانی

نوادرِ اقبال یورپ میں

سعید اختر درّانی

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) ۱۵۳۲

سنہ اشاعت : ۲۰۰۳ء
قیمت : [redacted]
سرورق : محمد ساجد
بہ اہتمام : اختر زماں
طباعت : ثمر آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی۔

ISBN : 81-7160-117-0

Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar : 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
Contact : 23237210, 23236299, Fax : 23239547
E-mail : urduadabndli@bol.net.in

انتساب

میں یہ کتاب بہ کمال مسرت اپنے
دیرینہ دوست :

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

کے نام منسوب کرتا ہوں ۔ میری
پہلی کتاب (اقبال یورپ میں) ہی کی طرح
زیرِ نظر کتاب کی اشاعت میں بھی انہوں
نے بہت کمک پہنچائی ۔ اس کا عنوان بھی
انہی کا تجویز کردہ ہے۔

فہرست

حرفِ آغاز

غالبؔ اور اقبالؔ کا شمار اردو کے اُن ممتاز شاعروں میں ہوتا ہے، جن کے سوانح، شخصیت اور فن پر ہمارے محققین اور نقاد طویل عرصے سے مسلسل کام کرتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک بدستور جاری ہے۔ جب بھی غالب یا اقبال پر کوئی ایسی تحقیقی کتاب شائع ہوتی ہے، جس میں ان حضرات کے سوانح کے بارے میں کچھ نئی معلومات فراہم کی گئی ہوتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم پر اقبال یا غالب کا جو قرض تھا وہ ہم نے چکا دیا۔ اب ان حضرات پر کوئی نیا مواد ملنا مشکل ہے۔ ان حضرات کے فن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ لیکن کچھ ہی دن بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں پر ابھی تو بہت مواد دستیاب ہے اور ان دونوں کی شخصیت اور فن کے بارے میں مختلف پہلوؤں پر ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ قابلِ مبارک باد ہیں وہ لوگ جو محنت، دیدہ ریزی اور جستجو سے ان عظیم شاعروں کے بارے میں نیا مواد تلاش کرکے بہت سلیقے سے پیش کرتے ہیں۔ اردو والے اس محنت کا بدلہ اس طرح دیتے ہیں کہ ان حضرات کو ماہرین غالب یا ماہرین اقبال کی فہرست میں شامل کرلیتے ہیں، جو ایک محقق یا نقاد کے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔

ڈاکٹر سعید اختر درّانی بھی ایسے ہی ایک محقق ہیں۔ وہ بنیادی طور پر سائنسداں ہیں۔ سائنس میں اُن کی تحقیق کا میدان ہے 'Radiation Physics' لیکن اُنھوں نے اپنی سائنسی صلاحیتوں سے کام لے کر اقبال پر دو معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں۔ یہ کتابیں ہیں 'اقبال یورپ میں' اور 'نوادرِ اقبال یورپ میں'۔ اس وقت ہم ڈاکٹر درّانی کی پہلی کتاب پر گفتگو کررہے ہیں۔

اقبال پر تحقیقی مضامین اور کتابوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اگر میں غلط نہیں ہوں تو اردو میں سب سے زیادہ اقبال پر لکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود ہر سال اقبال پر بے شمار ایسے مضامین یا کتابیں شائع ہوتی ہیں جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل نئی ہوتی ہیں۔ اسی انداز کی کتاب 'اقبال یورپ میں' ہے، جس کے مولف ڈاکٹر سعید اختر درانی ہیں۔ دُرّانی صاحب کی زندگی کا بڑا حصّہ سائنس کے میدان میں تصنیف وتالیف اور درس و تدریس میں گزرا ہے۔ اس کے باوجود انھیں شعروادب اور فلسفے سے دل چسپی رہی ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ انھیں علامہ اقبال سے جنون کی حد تک عشق ہے۔ اُنھوں نے اقبال پر ایسا بنیادی کام کیا ہے کہ ایسے لوگ بھی شاید کوئی اتنا اہم کام نہ کرپائیں، جن کی زندگی کا بڑا حصّہ علامہ اقبال پر تحقیق وتنقید کرتے ہوئے گزرا ہے۔

ملازمت کے سلسلے میں ڈاکٹر سعید اختر درّانی کا قیام انگلینڈ میں تھا۔ اگرچہ کیمبرج اور لندن میں اقبال کی تعلیمی، علمی اور تخلیقی سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن تحقیق میں کوئی چیز حرفِ آخر نہیں

ہوتی۔ اگر محقق اپنی کوششیں جاری رکھے تو اس کا پورا اِمکان رہتا ہے کہ اسے کچھ ایسا مواد دستیاب ہوجائے، جو دوسرے محققوں اور نقادوں کی دسترس میں نہیں تھا۔ میرے اس دعوے کا ثبوت ڈاکٹر درّانی کی اقبال پر دو کتابیں ’اقبال یورپ میں‘ اور ’نوادرِ اقبال یورپ میں‘ ہیں۔ ڈاکٹر درّانی کو جب اقبال پر تحقیق کا خیال آیا تو وہ اُس وقت انگلستان میں تھے۔ انھوں نے یورپ میں اقبال کے قیام کو اپنا موضوع بنایا۔ اس سلسلے میں انھوں نے کیمبرج، لندن، جرمنی، ہائیڈل برگ، میونخ یونی ورسٹیوں اور ہسپانیہ کا دورہ کیا اور ان شہروں، ملکوں اور یونی ورسٹیوں میں اقبال کی علمی، ادبی اور تعلیمی سرگرمیوں پر تحقیق کرکے بہت ہی نادر مواد تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

دُرانی صاحب کی پہلی کتاب ’اقبال یورپ میں‘ کو نہ صرف غیر معمولی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی بلکہ اسے اقبالیات میں ایک اہم اضافہ کہا گیا۔ اس کتاب کی زبردست پذیرائی ہوئی، جس سے ڈاکٹر درّانی کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اُنھوں نے ’نوادرِ اقبال یورپ میں‘ کے نام سے ایک اور کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اقبال کے سوانح اور شخصیت کے بارے میں بہت اہم اور تاریخی مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا مضمون ہے ’جرمنی کا شہر۔ ہائیڈل برگ‘۔ ستمبر ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر درّانی کو دو سائنسی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے جرمنی کے میونخ اور ورمز (Worms) نامی دو شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا، جہاں اُنھوں نے علامہ اقبال کی دوست اور استاد ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت کی۔ ویگے ناسٹ کے کئی رشتے داروں سے ملاقات کرکے مرحومہ کے بارے میں ایسی اہم معلومات حاصل کیں، جن سے عام قارئین تو کیا خود ماہرینِ اقبال بھی ابھی تک ناواقف تھے۔

علامہ اقبال کیمبرج یونی ورسٹی کے طالب علم رہے تھے۔ ڈاکٹر درّانی کیمبرج گئے اور وہاں اُنھوں نے اقبال کے بارے میں بہت اہم تحقیق کی۔ علامہ اقبال نے اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج، ایڈوانس طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لیا تھا، جہاں اُنھوں نے بی۔ اے کے لیے تحقیقی مقالہ **The Development of Metaphysics in Persia** لکھا اور پھر کچھ اضافوں کے ساتھ ۴ رنومبر ۱۹۰۷ء کو یہ مقالہ میونخ یونی ورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے بھیجا، جس کے لیے اُنھیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔

علامہ اقبال کا یہ تحقیقی مقالہ لندن سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر درّانی نے اس مقالے کے بارے میں بہت اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یورپ میں اقبال کے قیام کے دوران بہت سے واقعات پر تحقیقی مواد فراہم کیا ہے۔ یہ کتاب اقبال اکادمی پاکستان سے ۱۹۹۵ء شائع ہوئی تھی۔ اب ڈاکٹر سعید اختر درّانی کی تحریری اجازت سے انجمن اس کا نیا اڈیشن شائع کررہی ہے۔ ڈاکٹر درّانی کی دوسری کتاب ’اقبال یورپ میں‘ بھی انجمن سے بہت جلد شائع ہوجائے گی۔

خلیق انجم

دیباچہ

علامہ اقبال کے آثار، باقیات اور نوادرات، دنیا کے کونے گونے میں بکھرے ہوئے ہیں اور یہ ایک صحرائے بسیط ہے ۔ دس پندرہ سال ہوئے، ہمارے سر میں بھی یہ سودا سمایا کہ اس صحرا کی کچھ بادیہ پیمائی کریں ۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۸۵ء میں ہماری کتاب "اقبال یورپ میں" شائع ہوئی ۔ اس کے بعد بھی تحقیق و تجسس کا سلسلہ جاری رہا اور اس کا ماحصل، زیر نظر کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے ۔

موجودہ کتاب میں اقبال کے قیام یورپ سے متعلق بعض اہم امور زیر بحث آئے ہیں ۔ مثلاً" یہ کہ اقبال نے اپنے تحقیقی مقالے The Development of Metaphysics in Persia پر جون ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی تو کم و بیش اسی مقالے پر انہیں میونک یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کیسے مل گئی ؟ اور وہ بھی اس صورت میں کہ جرمنی میں ان کی مدت قیام محض ساڑھے تین ماہ تھی ! (یعنی ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء تا ۵ نومبر ۱۹۰۷ء)۔ اس سوال کا جواب حاصل کرنے میں جو دلچسپ حقائق بے حجاب ہوئے، وہ اس کتاب میں منظر عام پر لائے جا رہے ہیں ۔ مزید برآں اس کتاب کا ایک حصہ علامہ کے قیام جرمنی سے متعلق حالات و واقعات اور دستاویزات پر مشتمل ہے ۔ وہ ہائیڈل برگ میں آخر جولائی ۱۹۰۷ء سے وسط اکتوبر

۱۹۰۷ء تک مقیم رہے - شاید یہ علامہ کی زندگی کے مسرور ترین دو تین ماہ تھے - یہی مختصر مدت تھی جس کے دوران علامہ کے دل و دماغ پر جرمنی کے آدرشوں' اُس کے شاعروں' اُس کے لوگوں اور اُس ملک کے حسنِ فطرت نے ایسا اثر کیا کہ وہ تمام عمر اس کے گیت گاتے رہے - ہائیڈل برگ کے بارے میں جرمنی میں مشہور ہے کہ یہ شہر یہاں آنے والوں کا دل لوٹ لیتا ہے اور اس موضوع پر کئی گیت زبانِ زدِ عام ہیں مثلاً" :

ICH HAB MEIN HERZ IN HEIDELBERG VERLOREN

(میں نے اپنا دِل ہائیڈل برگ میں کھودیا ہے) ------

ہائیڈل برگ کے تذکرے کے علاوہ زیرِ نظر کتاب میں ایما ویگے ناسٹ اور ان کے خاندان کے بارے میں کئی ایک نئی معلومات شامل ہیں - اسی طرح اقبال کی پی ایچ ڈی سے متعلق بہت سی نئی باتیں پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہیں - مزید برآں متعدد نادر تصاویر' تحریریں اور دستاویزات بھی شامل کتاب ہیں - امید ہے یہ ساری چیزیں اقبالیات کے سوانحی ادب میں ایک دلچسپ اضافہ ثابت ہوں گی -

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ممتاز دانشور' اقبال شناس ' نقاد اور محقق جناب ڈاکٹر وحید قریشی کے علاوہ اپنے بے لوث اور پُر خلوص دوست ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا (جو شمع اقبال کے ایک پروانۂ دل سوز و جاں گداز ہیں) کا ممنون ہوں -

در اصل پہلے پہل میں نے اس مسودے کا بیشتر حصہ آج سے قریب تین سال قبل اقبال اکادمی پاکستان' لاہور میں داخلِ دفتر کیا تھا - لیکن ان دنوں اکادمی کی مالی حالت بڑی پتلی تھی - چنانچہ یہ مسودہ ایک طویل عرصے تک وہاں خاک چاٹتا رہا - پھر دسمبر ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے' جو اُن دنوں بزم اقبال لاہور کے ناظم تھے' مجھ سے یہ مسودہ مانگ لیا' کہ انہیں اس کتاب کے چھاپنے کا شوق بھی

تھا' اور ان کے زیرِ تصرف پیسے بھی تھے ۔ لیکن پھر اس ادارے کے حالات بھی کچھ دگرگوں ہو گئے ' اور کافی عرصے تک کتاب کی اشاعت میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہوئی ۔ تا آنکہ جنوری ۱۹۹۳ء میں مجھے برمنگھم میں یکایک ڈاکٹر ہاشمی کا ایک خط ملا کہ جناب وحید قریشی نے بے حد گرم رفتاری کے ساتھ "بزم اقبال" کی نئی کتابیں شائع کرنی شروع کر دی ہیں اور مجھے فی الفور چاہیے کہ کتاب کا باقی ماندہ مواد بھی انہیں بھیج دوں ۔ جناب ڈاکٹر وحید قریشی بالقابہ میں ایک "جناتی قوت" ہے کہ جو ایک دفعہ کار فرما ہو جائے تو کسی کے روکے نہیں رک سکتی ۔ اسی قوت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بزم اقبال کی شش سالہ نظامت کے دوران' بزم کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد دگنی سے زیادہ کر دی ہے' بہ نسبت ان کے جو اس سے پیش تر' قریب پینتالیس برس میں اس ادارے نے چھاپی تھیں ۔

بہر حال میں نے ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب کو پے در پے تین خطوط لکھے اور درخواست کی کہ وہ ذرا توقف کریں تاکہ میں اپنے مضامین کی نوک پلک سنوار لوں ۔ دوسری طرف میں نے ان مضامین پر نظرِ ثانی شروع کی اور بہ عجلت ان میں ترمیم و تصحیح اور ان پر کچھ اضافے کرکے انہیں روانہ کر دیا اور سب سے زیادہ محنت جو مجھے کرنی پڑی' وہ میونک یونیورسٹی کی ان دستاویزوں پر ہوئی جو اکتوبر ۱۹۸۷ء میں مَیں نے وہاں سے برآمد کی تھیں ۔ وہ یوں کہ میونک یونیورسٹی کے محافظ خانے (ARCHIVES) کی فوٹو کاپی مشین اُن دنوں بڑی بری حالت میں تھی' اور کئی نقول کے درمیانی حصے کے آر پار سیاہ پٹیاں سی پڑ گئی تھیں ' جن کو اس احتیاط کے ساتھ صاف کرنا کہ کوئی لفظ مسخ نہ ہو جائے ' بڑا دیدہ ریزی کا کام تھا ۔ یہ سب دستاویزیں آپ زیرِ نظر کتاب کے ضمیموں کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں ۔ مزید برآں یہاں اس بات کا اضافہ کرنا شاید بے محل نہ ہو کہ مذکورہ عجلت کی بنا پر مجھے یہ مہلت بھی نہ مل سکی کہ وہ دو باب بھی شامل کتاب کر سکوں جو نخستیں فہرست مطالب میں تو موجود تھے' لیکن

ابھی حیطہ ء تحریر میں نہ آئے تھے ۔ یعنی ہسپانیہ اور اٹلی میں علامہ کے چند باقیات جو میں نے ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء کےدوران جمع کئے تھے، اور جن میں کچھ نوادر بھی شامل تھے ۔ ان کے حذف ہونے کا مجھے افسوس ہی رہا، لیکن بہرطور شاید ایک روز یہ چیزیں بھی اسی سلسلے کی تیسری کتاب کا حصہ بن سکیں ، کہ بقول غالب :

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو

آخر میں ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں ، وہ یہ کہ جب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے میری کتاب کا مسودہ دیکھا، کہ مجموعہ تھا میرے مختلف اوقات میں لکھے ہوئے اور مختلف رسالوں میں شائع کیے گئے مضامین کا،اور عکس مماثل تھا میری پہلی کتاب کی بے ربطیوں اور طول گفتاریوں کا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی تہذیب و تصحیح بہت ضروری ہے، اور یہ کام انہوں نے ہاشمی صاحب کے سپرد کر دیا ۔ اس پر میں نے شکر و اطمینان کی سانس لی ۔ چنانچہ اگلے چند ماہ میں جناب رفیع الدین ہاشمی صاحب نے بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی کے ساتھ اس مسودے پر کام کیا، اس کی بڑے پیانے پر تہذیب و تصحیح کی، اس کے حشو و زوائد کو یا تو قلم زد کیا یا انہیں حواشی کی صورت میں متن سے الگ کیا اور یوں تحریر کے تانے بانے کو کس دیا ۔ ایک بہت بڑی improvement جو انہوں نے کی، وہ یہ تھی کہ میری مسلسل اور یک لخت تحریروں میں انہوں نے وقفے وقفے سے جلی ور ذیلی سرخیاں لگائیں کہ پڑھنے والوں کی دلچسپی برقرار رہے اور ان کی نگاہوں کو قیام گاہیں میسر آئیں ۔ اور ہاں بڑی مشکل اور پس و پیش کے بعد جناب ڈاکٹر وحید قریشی نے حال ہی میں مجھے بھی ایک ہفتے کے اندر اندر ایک آخری پروف ریڈنگ کرنے کی اجازت دے دی حس کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں ۔ اور یہ تصحیحات میں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ کر بھی ڈالی ہیں ۔

قارئین کرام جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ، کتاب زیر نظر کو میری "تمنا کا دوسرا قدم" سمجھیے ۔ پہلی کتاب دشتِ امکاں میں

ایک حقیر سا نقشِ پا تھا، اور شاید آپ اسے تعلی توسمجھیں، مگر یکایک مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا ہے، جہاں میں نے عرض کیا تھا : .

تھی مرے خونِ کف پا میں گلوں کی شوخی
رنگ صحرا نکھر آیا، میں جہاں سے گزرا

امید ہے کہ آپ کو بھی اس صحرائے جستجو میں کہیں کہیں شوخ رنگ کے کچھ نقوش نظر آئیں گے، جو جاذب نگاہ ہوں گے ۔ فی الحال اجازت چاہتا ہوں ۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا ۔

اسلام آباد، لندن (مطار) بندہ ٔ فانی

تمت بالخیر، ۲۱ دسمبر ۱۹۹۳ء سعید اختر درانی

پس تحریر

جب اوپر بیان کئے گئے تمام مرحلے طے ہو گئے ۔ اور میں آخر دسمبر۱۹۹۳ء میں تصحیح شدہ مسودہ بزم اقبال کے حوالے کر آیا، اور برمنگھم پہنچ کر اس خوابِ خوش میں مست ہو گیا کہ اب کتاب جلد ہی چھپ جائے گی، تو یکایک خبر ملی کہ اس کے ناظم صاحب جناب وحید قریشی وہاں سے بدل کر دوبارہ اقبال اکادمی پاکستان کے سربراہ مقرر ہو گئے ہیں ۔ بزم اقبال کے نئے ناظم ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب کی ترجیحات کچھ مختلف ثابت ہوئیں، اور میری کتاب دوبارہ طاقِ نسیاں کی زینت بن گئی ۔ آخر کار، اکتوبر ۱۹۹۴ء میں جب میں جہانِ سوم کی سربراہ کانفرنس برائے سائنس ' اور نیز اقوام متحدہ کے ایک سائنسی مشن کے سلسلے میں پاکستان آیا ہوا تھا، میرا لاہور جانا ہوا، تو میں نے مذکورہ بالا دونوں حضرات سے بات چیت کی ۔ ڈاکٹر ذوالفقار صاحب

نے فرمایا کہ یہ دونوں ادارے تو ہمشیر (sister organizations) ہیں - اگر آپ چاہیں تو اسے اقبال اکادمی سے چھپوا لیں کہ آج کل ان کے مالی وسائل بہت بہتر حالت میں ہیں - اور ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا - چنانچہ چند ہفتے پیشتر میں یہ سارا پلندہ اٹھا کر پھر اقبال اکادمی پاکستان کے پاس لے آیا - کہ

پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا !

اب میری دِلی آرزو ہے کہ یہ شب نصیب کتاب جلد از جلد (انگریزی محاورے کے مطابق) دن کا اجالا دیکھ پائے اور میری تمام محنت سوارت ہو - واللہ المستعان

طالبِ نور

ترانی

اسلام آباد ۱۲ ر نومبر ۱۹۹۴ء

(۱)

ہائیڈل برگ

ہائیڈل برگ

ستمبر ۱۹۸۴ء میں مجھے دو سائنسی کانفرنسوں کے سلسلے میں جرمنی جانے کا موقع ملا۔ پہلی کانفرنس میونک میں تھی اور دوسری ورمز(WORMS) میں' جو سولھویں صدی کے عیسائی پادری مارٹن لوتھر کی نسبت سے ایک معروف مقام ہے۔ میں نے سوچا اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے وہاں کی مہم جُوئی کی پہلے سے تیاری کرلی اور ہر ایک کانفرنس کے خاتمے پر میونک اور ہائیڈل برگ میں دو دو روز کے لئے علامہ اقبال پر ریسرچ کا پروگرام بنایا اور دوستوں کو خط وغیرہ لکھ دیے۔

اس مہم (EXPEDITION) کے دوران جو نئی دریافتیں ظہور پذیر ہوئیں وہ بے حد دلچسپ اور نتیجہ خیز تھیں۔ میں ان واقعات کو چار حصوں میں تقسیم کرکے بیان کروں گا۔ حصہ اول صرف ہائیڈل برگ کی تحقیقات سے متعلق ہے۔ حصہ دوم ہائیل برون کے حالات پر مشتمل ہے' جہاں میں نے مس ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت کی اور ان کے قرابت داروں سے ملاقات کی۔ میونک کے واقعات و واردات کا تیسرے اور کیمبرج کا ذکر چوتھے حصے میں ہو گا۔

مسز ایلساویگے ناسٹ

تو آیئے اب ۲۳ تا ۳۰ ر ستمبر ۱۹۸۴ء کے ان واقعات کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

WORMS کی کانفرنس سے ایک شب پہلے (اتوار ۲۳ ستمبر ۱۹۸۴ء کی رات کو) میں اپنے ایک ہندوستانی سائنس دان دوست ڈاکٹر اشوک کمار سنگھوی کے دولت خانے میں قیام پذیر ہوا جو احمد آباد سے ایک سال کے لئے فیلو شپ پر ہائیڈل برگ کی MAX-PLANCK INSTITUTE FOR NUCLEAR PHYSICS میں ریسرچ کے لئے آئے ہوئے تھے اور ورمز والی کانفرنس میں شرکت کرنے والے تھے۔ آنے سے پہلے میں نے خط کے ذریعے ان سے درخواست کر رکھی تھی کہ وہ براہ کرم اس بات کا کھوج لگائیں کہ آیا ہائیل برون میں مس ایما ویگے ناسٹ (MISS EMMA WEGENAST) کے کوئی عزیز اب بھی آباد ہیں؟ مس ویگے ناسٹ' ہائیل برون (HEILBRONN) کی رہنے والی تھیں اور علامہ کا خط مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۷ء اسی شہر کے پتے پر تحریر کیا گیا تھا اور ان کے دوسرے کئی خطوں میں بھی اس شہر کا ذکر تھا۔

جب اس شام مَیں سنگھوی صاحب کے یہاں وارد ہوا تو انہوں نے بتایا کہ میرے خط مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۸۴ء کے نتیجے میں ان کی انسٹی ٹیوٹ کی لائبریرین خاتون FRAU MARIA SCHÜTZE نے اس اثنا میں ہائیل برون میں مقیم تین ایسے افراد کے پتوں اور ٹیلی فون نمبروں کا کھوج لگا لیا تھا جن کے نام ویگے ناسٹ تھے۔ یہ نام اور پتے یوں تھے۔

1- ELSA WEGENAST, BLÜCHER STRASSE 26

2- HANS WEGENAST, BLÜCHER STRASSE 26/I

3- RICHARD WEGENAST, CHARLOTTEN STRASSE

(یہ غنیمت ہوا کہ شہر میں چند ہی ویگے ناسٹ نکلے اور جیسا کہ بعد کو عیاں ہوا ' یہ سب لوگ ایک ہی خانوادے کے ارکان تھے)۔ چنانچہ میں نے فوراً" پہلے پتے پر ہائیڈل برگ سے ٹیلی فون کیا۔ جس کے جواب میں مسز ایلما ویگے ناسٹ گویا ہوئیں۔ میں نے اولاً" ان سے کچھ عرصہ جرمن زبان میں گفتگو کی' لیکن بعد میں وہ انگریزی میں باتیں کرنے لگیں جو وہ بڑی روانی کے ساتھ بولتی تھیں۔ انہوں نے اپنا مفصل تعارف کرایا۔

میں نے علامہ اقبال اور مس ایما ویگے ناسٹ کے تعلقات کا ذکر کیا۔ کہنے لگیں کہ وہ میرے مرحوم شوہر (خدا اسے جنت نصیب کرے) کی بڑی بہن تھیں۔ میرے شوہر کا دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے جلد بعد ایک فرانسیسی جنگی قید خانے میں ۱۹۴۶ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۴۵ برس کی تھی۔ میں نے ایما کی بہن صوفی (SOPHIE) کے متعلق پوچھا۔ بولیں کہ ہاں وہ بھی تھیں' لیکن میں دراصل ان دونوں بہنوں کے متعلق بہت کم جانتی ہوں کیوں کہ میں ولادۃً" ویگے ناسٹ نہیں ہوں۔ شاید میرے بیٹے ہنس کو کچھ زیادہ علم ہو۔ ہاں' کچھ مہینے ہوئے ایک بدیسی صاحب یہاں تشریف لائے تھے جنہوں نے مجھے ایک مضمون اور ایک اخبار دکھایا تھا' جس میں ایما کی تصویر تھی۔ (دراصل یہ صاحب ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں اقبال فیلو جناب ڈاکٹر صدیق شبلی تھے۔ جنہوں نے "افکار" کراچی بابت مئی ۱۹۸۳ء میں مس ویگے ناسٹ کے بارے میں میرا مضمون پڑھ کر مجھے خط لکھا تھا اور اسی مضمون کے زیر اثر وہ جنوری یا فروری ۱۹۸۴ء میں ہائیل برون گئے تھے)۔ یہ اطلاع انہوں نے میرے اس سوال کے جواب میں دی کہ آیا ان کے پاس ایما ویگے ناسٹ کی کوئی تصویر موجود ہے۔ کہنے لگیں خود ان کے پاس ایما کی کوئی تصویر نہ تھی۔ نہ

ویگے ناسٹ خاندان کی پرانی تصویروں کا کوئی البم۔ میں نے ان سے مس ایما کے مکان 16 LUISEN STRASSE کے بارے میں پوچھا (جس کا ذکر اقبال نے کیا تھا) کہنے لگیں کہ یہ مکان جہاں تک میرا خیال ہے جنگ کے دوران تباہ ہو گیا تھا۔ پھر خود ہی فرمانے لگیں' تم کیوں ان تمام امور کے بارے میں مزید اطلاع میری قرابت دار پروفیسر کرش ہوف (KIRCHHOFF) سے حاصل نہیں کرلیتے؟ وہ خاتون پیدائشی لحاظ سے ویگے ناسٹ تھیں اور ان کے والد ایما ویگے ناسٹ کے عم زاد بھائی تھے۔ وہ خود ہائیڈل برگ ہی میں رہتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں مجھے دوبارہ ٹیلی فون کرو' تو میں تم کو ان کا ٹیلی فون نمبر دے دوں گی۔ میں نے کہا: بہت خوب۔

قریب آدھے گھنٹے بعد میں نے فراؤ (بیگم) ویگے ناسٹ کو دوبارہ فون کیا۔ اب کے وہ فر فر انگریزی بول رہی تھیں (مندرجہ بالا تمام گفتگو جرمن زبان میں ہوئی تھی)۔انہوں نے مجھے پروفیسر کرش ہوف کا (جنہیں وہ اب ڈاکٹر ہیلا (HELLA) پکار رہی تھیں) ہائیڈل برگ کا پتا ZIEGELHÄUSER LANDSTRASSE 17A اور فون نمبر دے دیا اور پھر دوبارہ میرے ساتھ کافی عرصہ گپ شپ کرتی رہیں (محترمہ باتیں کرنے کی کافی شوقین نکلیں۔ یہ امر میرے لیے بڑا حوصلہ افزا تھا!) اور مجھے اپنے بیٹوں اور اپنے مرحوم شوہر (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) اور ایما اور ان کی بہن صوفی کے بارے میں انہوں نے کافی معلومات مہیا کیں (اگرچہ دونوں موخر الذکر خواتین کے بارے میں ان کی تمام اطلاعات شنیدہ تھیں' نہ کہ دیدہ)۔

کوئی ایک گھنٹے بعد (قریب ۷ بجے شام' اتوار ۲۳ ستمبر ۱۹۸۴ء) میں نے پروفیسر کرش ہوف صاحبہ کے یہاں ٹیلی فون کھڑکایا۔ میں نے عرض کیا کہ میری جرمن زبان خاصی ست اور زنگ آلود ہے۔ کیا وہ انگریزی میں بات چیت کر سکتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا' ضرور'اور بڑی صفائی کے ساتھ بے تکان انگریزی بولنے لگیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس مس ایما ویگے ناسٹ کی (جو میری پھوپی تھیں) کوئی تصویر باقی نہیں بچی' آج سے کوئی بیس پچیس برس پہلے' پچاس کی دہائی میں ایک شخص ہمارے پاس ایک سرکاری سطح پر آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں' یا اس نے ایسا کرنے کا دعویٰ کیا:

"THAT HE WAS WRITING A BOOK, OR PRETENDED TO WRITE ONE"

اور ہم نے اس کو تمام کی تمام تصویریں اور سارے خطوط دے ڈالے۔ کہنے لگیں کہ ان دنوں میری پھوپی ایما کی صحت بہت کمزور تھی (وہ اسی کے پیٹے میں تھیں) اور وہ انگریزی بھی نہیں بول سکتی تھیں' چنانچہ میں ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہی تھی۔ اس شخص (یا ان اشخاص) نے ایما کو پاکستان آنے کی دعوت دی' لیکن اپنی صحت کی کمزوری (اور انگریزی زبان سے ناواقفیت) کی بنا پر وہ یہ دعوت قبول نہ کر سکیں۔ چنانچہ میں نے (یعنی بیگم کرش ہوف نے) وہاں جانے کی آمادگی ظاہر کی' لیکن کچھ ہوا' ہوایا نہیں۔

پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ میں ایما اور ان کی بہن صوفی (SOFIE یا SOPHIE) کو بہت اچھی طرح سے جانتی تھی۔ میرے والد ان خواتین کے کزن تھے اور یوں وہ میری رشتے کی پھوپیاں تھیں۔ میں بچپن میں اٹلی میں رہتی تھی اور ۱۹۳۸ء میں ہائیڈل برگ کی یونیورسٹی میں پہنچی۔ میں یہاں جرمنی میں کسی کو نہیں جانتی تھی' چنانچہ میں یہاں ایما اور صوفی کے یہاں رہنے لگی (در اصل وہ وقتاً" فوقتاً" ان کے یہاں آنے جانے اور کبھی کبھار مقیم ہونے لگیں) ایما ۱۹۵۰ء کے عشرے میں فوت ہو گئیں۔ میں نے کہا: کیا ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں نہیں؟ کہنے لگیں: ہو سکتا ہے تمہاری بات صحیح ہو (یاد رہے کہ ایما ویگے ناسٹ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں فوت ہوئیں) اور صوفی اس کے چند سال بعد۔میرے پُر اصرار استفسار پر انہوں نے کہا کہ صوفی ۱۰۲ سال

کی عمر میں ۱۹۷۸ء میں فوت ہوئیں (یعنی اقبال صدی کی تقریبات کے دوران وہ زندہ تھیں۔ کاش ہم لوگوں کو معلوم ہوتا!) فرمانے لگیں کہ صوفی کی بہت سی تصویریں میرے پاس موجود ہیں اور یہ میں بخوشی تم کو دے دوں گی۔ ہاں، تم اگلے ہفتے کے روز بے شک میرے یہاں آ جاؤ، یعنی شنبہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۴ء کے روز، لیکن آنے سے پہلے مجھے ٹیلی فون کرلینا۔ میں نے ان کا بہت شکریہ ادا کیا اور یہ گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔

اس گفتگو سے اگلی صبح یعنی بروز پیر ۲۴ ستمبر ۱۹۸۴ء ڈاکٹر سنگھوی اور میں ریل گاڑی سے WORMS روانہ ہو گئے۔ جہاں ہماری کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ وہاں تمام ہفتہ بڑی گہماگہمی میں گزرا۔ کانفرنس بڑے المانوی طریقے کے ساتھ آراستہ کی گئی تھی اور دن بھر کے سائنسی مقالوں کے بعد ہر شام کوئی دلچسپ ثقافتی پروگرام ہوتا تھا۔ کانفرنس کا بڑا پر تکلف ڈنر (BANQUET) ورمز سے کوئی پچاس میل کے فاصلے پر ایک پرشکوہ محل SCHLOSS میں منعقد ہوا، جس کا حسن و جمال، جو ایک مرقعِ کمال تھا، آج تک میرے دل پر نقش ہے۔ کانفرنس سے فارغ ہو کر ہم جمعہ ۲۸ر ستمبر ۱۹۸۴ء کی شام کو واپس ڈاکٹر سنگھوی صاحب کے یہاں پہنچے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر میں نے دوبارہ پروفیسر کرش ہوف کو فون کیا کہ اگلے روز میں ان کے دولت خانے پر حاضر ہونے والا ہوں۔ انہوں نے کہا بصد شوق، اور اپنے گھر پہنچنے کے بارے میں ہدایات دیں کہ یہ مکان دریائے نیکر کے کنارے پر واقع ہے اور اس کے سامنے ہائیڈل برگ کا مشہور قلعہ (جو اب کھنڈر ہو چکا ہے) فرازِ کوہ پر نظر آتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم دو بجے میرے یہاں پہنچ جاؤ، میں فارغ ہوں۔

پروفیسر ہیلا کرش ہوف سے ملاقات

اگلے روز دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کوئی ساڑھے بارہ بجے (بروز شنبہ ۲۹ ستمبر

۱۹۸۴ء) میں گھر سے نکلا اور بذریعہ بس پروفیسر موصوف کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ بس دریائے نیکر کے کنارے کنارے رواں دواں تھی۔ کنارِ دریا پر بوقلموں درخت، خوش رنگ گل بوٹے اور سبزۂ بیگانہ بہار دکھا رہے تھے۔ سورج کی نقرئی کرنیں درختوں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھیں۔ دریا پر وقفے وقفے سے قدیم پل بنے تھے۔ فرازِ کوہ پر قلعے کے پر شکوہ کھنڈر جلوہ آرا تھے، اور دریا کے اُس پار حسین حویلیاں اور پرانے برج اور گرجے آپس میں گڈ مڈ تھے، جب کہ اِس پار درختوں اور جھاڑیوں میں گھرے ہوئے قدیم مکان ایستادہ تھے۔

میں غلطی سے پروفیسر کرش ہوف کے مکان سے کوئی نصف میل پہلے ہی بس سے اتر گیا، لیکن اس خوبصورت رہگذار پر (کہ علامہ اقبال کا پرانا مکان بھی اسی سڑک کے اولین حصے میں واقع ہے) پیدل چلنا باعثِ فرحت تھا۔ جب میں پروفیسر صاحبہ کے مکان پر وارد ہوا تو ابھی پونے دو بجے تھے۔ اس لیے میں چند منٹ اس روح پرور نظارے سے محظوظ ہوتا رہا اور اس خوبصورت گرد و نواح کی چند تصویریں کھینچنے میں مصروف رہا۔ ٹھیک دو بجے میں نے پروفیسر صاحبہ کے درِ دولت کی گھنٹی بجائی۔ چند ثانیوں بعد وہ دروازے پر تشریف لائیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ چھیاسٹھ سڑسٹھ برس کی ایک خوش قامت اور خوش وضع خاتون ہیں۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہی، اور کہا کہ اوپر تشریف لایئے۔ میں اس وقت ڈرائنگ روم میں اپنے نواسے اور نواسی کے ساتھ بیٹھی ہوں۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ ان کا مکان بڑا سجا سجایا ہے اور اطاقِ نشست میں خوبصورت ایرانی قالین، خوشنما صوفے کرسیاں اور کچھ پرانی تصاویرِ ہنر (PAINTINGS) صاحبۂ خانہ کی خوش ذوقی کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔

اولاً میں نے

PROFESSOR DR HELLA KIRCHHOFF, NE´E WEGENAST

کو ان کے مکان (ZIEGELHÄUSER LANDSTR. 17 A) کے خوبصورت گرد

و نواح پر مبارک باد پیش کی۔ وہ کہنے لگیں : ہاں یہ علاقہ ہائیڈل برگ کے خوب صورت ترین مضافات میں سے ہے۔ پروفیسر صاحبہ کی نواسی اور نواسا (قریب ساڑھے تین اور دو سال کی عمر کے) اسی کمرے میں ان کے سامنے بڑی خاموشی اور خوش تربیتی کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھے۔

پروفیسر صاحبہ میرے ساتھ بڑی خوش خلقی سے پیش آئیں اور انہوں نے مجھے بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ وہ ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں اطالوی زبان و ادب کی استاد رہ چکی ہیں اور بڑی شستہ انگریزی بولتی تھیں۔ سب سے پہلے میں نے خود ان کے بارے میں کچھ باتیں پوچھیں۔ کہنے لگیں کہ میں بڑی خوش قسمت تھی کہ جب میں نے ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں (۱۹۴۰ء کے لگ بھگ) لیکچرر کی حیثیت سے ملازمت شروع کی تو اس وقت جنگ کی وجہ سے مرد لیکچرر بہت کم تھے۔ چنانچہ نہ صرف مجھے آسانی سے یہ اسامی مل گئی بلکہ ترقی کرتے کرتے میں بعد ازاں پروفیسرشپ کے مرتبے تک پہنچ گئی۔ اگرچہ میں FULL PROFESSOR تو نہیں تھی (یعنی ORDINARIUS یا C - 4 کے رتبے کی) بلکہ میرا رتبہ C - 3 کا تھا (یعنی اسے ASSOCIATE PROFESSOR کہہ لیجیے) لیکن میرا عہدہ مستقل تھا (WITH TENURE)۔ انہوں نے کہا چونکہ تم خود یونیورسٹی کے معلم ہو اس لیے مجھے FRAU PROFESSOR کے بجائے صرف FRAU KIRCHHOFF (یعنی مسز کرش ہوف) کہہ کر پکارو۔ یہ انداز تخاطب زیادہ بے تکلف (INFORMAL) ہو گا۔ میں نے کہا: بہت خوب!

ایما ویگے ناسٹ اور ان کا خاندان

انہوں نے بتایا کہ میرے والدین اٹلی میں TRIESTE کے مقام پر رہتے تھے

جہاں میرے والد کا کافی (COFFEE) کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ میرے والد ماجد' ایما اور صوفی ویگے ناسٹ اور ان کے چار بھائیوں کے کزن (عم زاد بھائی) تھے۔ ۱۹۳۲ء میں جب میں سولہ سترہ برس کی تھی تو میں ہائیڈل برگ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے پہنچی (واضح رہے کہ ان کا تمام خاندان' یعنی خانوادہ ویگے ناسٹ' جرمنی سے تعلق رکھتا تھا) اور چونکہ میں اخراجات کے لحاظ سے خاصی تنگ دست تھی اس لیے میں نے کافی وقت اپنی پھوپیوں ایما EMMA اور صوفیSOFIE کے گھر پر بسر کرنا شروع کیا جو میری خوب خاطر تواضع کرتی رہتی تھیں۔ یوں بھی میں جرمنی میں کسی اور کو جانتی نہیں تھی۔ ایما ان دو میں سے چھوٹی بہن تھیں (اولاً" انہوں نے کہا کہ وہ بڑی بہن تھیں۔ لیکن بعد کو ان کی ڈسل ڈورف والی کزن ایڈتھ نے تصحیح کی کہ نہیں ایما چھوٹی بہن تھیں۔ اور یہی درست ہے)۔ دراصل ایما اس گھرانے کا دماغ (THE BRAIN) تھیں۔ بڑی ذہین خاتون تھیں اور اخراجات خانہ کا انحصار بھی انہی کی کمائی پر تھا' جب کہ گھر بار چلانے کا کام صوفی کے ذمے تھا۔ ایما بڑی خوب صورت اور خوش وضع (انیق یا ELEGANT) عورت تھیں۔ سیاہ بال' گہری نیلی آنکھیں اور بڑے ترشے ہوئے خدوخال (CHISELLED FEATURES)۔ان کی صورت اپنے سب سے بڑے بھائی کارل (KARL) کے ساتھ بہت ملتی تھی (جس کی تصویر انہوں نے مجھے دکھائی)۔ایما ایک دراز قد لڑکی تھی (قریب 170 CM یعنی پانچ فٹ سات انچ)۔ وہ ان دنوں یونیورسٹی کلینک میں بطور PHARMACIST (دوا ساز) کام کرتی تھیں۔ (اخبار HEIDELBERGER TAGEBLATT مورخہ بدھ ۲۹ جون ۱۹۲۶ء میں ایما کا پیشہ ریڈ کراس نرس ROT - KREUTZ - SCHWESTER درج ہے اور جناب محمد اکرام چغتائی کے مضمون مطبوعہ نوائے وقت بابت ۹ر نومبر ۱۹۸۴ء میں ایما کی وفات کے جس سرٹیفکیٹ کی نقل شائع ہوئی ہے وہاں یونیورسٹی کلینک میں ایما کا پیشہ ٹیکنیکل اسسٹنٹ TECHNISCHE ASSISTENTIN بیان کیا گیا ہے)

مسز کرش ہوف نے کہا کہ جب میں اپنی پھوپیوں سے پہلے پہل ملی ہوں تو وہ STEUBEN STRASSE میں قیام پذیر تھیں (نہ کہ .STAUBEN STR (نمبر۱۴) جیسا کہ علامہ اقبال نے ایما کے نام اپنے خط مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۳۲ء میں تحریر کیا ہے)۔ لیکن بعد ازاں وہ .S - MOZART STR میں اٹھ آئیں' جہاں وہ کئی برس تک مقیم رہیں۔

میں نے پروفیسر کرش ہوف کو ایما کے نام علامہ اقبال کے خطوط دکھائے۔ انہوں نے کہا یہ تو بے حد عمدہ جرمن زبان (EXCELLENT GERMAN) میں لکھے گئے ہیں' بلکہ خاصی روزمرہ کی (COLLOQUIAL) بولی ٹھولی ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اقبال نے یہ زبان صرف دو تین ماہ میں سیکھ لی تھی' جیسا کہ تم نے مجھے ابھی بتایا ہے۔ میں نے خیال ظاہر کیا کہ شاید انہوں نے جرمنی آنے سے پہلے لندن میں یہ زبان سیکھنی شروع کر دی ہو (جیسا کہ عطیہ بیگم کی کتاب IQBAL'S LETTERS TO ATTIYA BEGUM سے گمان کیا جا سکتا ہے)۔ پروفیسر صاحبہ کہنے لگیں کہ لسانیات کی ایک طالبہ علم کی حیثیت سے میرے لیے یہ خطوط خاص طور سے دلچسپ ہیں۔ کیا اقبال نے ان خطوط میں کہیں کہیں اردو نما طرز بیان (URDU - LIKE EXPRESSIONS) اختیار کیا ہے یا تمہارے خیال میں یہ انگریزی طرز خیال کا مرقع ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میرا قیاس ہے کہ اقبال نے سوچا انگریزی زبان میں ہو گا اور اظہار جرمن زبان میں کیا ہو گا۔ انہوں نے میرے ساتھ اس بات پر بھی اتفاق ظاہر کیا کہ یہ خط لکھنے کے دوران اقبال نے اکثر لغت کی کتابوں کا سہارا بھی لیا ہو گا ـــــ بہ اولا" انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہو سکتا ہے کہ کسی زبان دان نے اقبال کو ان خطوط کی تحریر میں مدد دی ہو' لیکن میں نے کہا کہ مجھے یہ باور نہیں آتا' کیوں کہ علامہ اقبال نے ان خطوط کے سلسلے میں خاصے اخفا سے کام لیا تھا (دیکھیے ایما کے نام ان کا انگریزی میں لکھا ہوا خط مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء از لاہور

جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ... "میں ہمیشہ آپ کے خطوط کو جرمن لغت کی مدد سے پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہوں' بجائے اس کے کہ کسی اور سے ان کا ترجمہ کرواؤں۔ اپنے خطوط کسی اور کو دکھانا اچھا نہیں ہوتا۔ آپ کا خط ختم کرنے میں خواہ تین دن لگیں پھر بھی میں اپنے طور پر انہیں ایک لغت کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ کسی اور کو دکھاؤں اور میں نے ہمیشہ یہی پیرایہ عمل اختیار کیا ہے") پروفیسر صاحبہ نے کہا کہ تمہاری بات صحیح ہوگی کیونکہ مثلاً" اپنے ایک خط میں اقبال نے لکھا ہے (مورخہ لندن ۱۶ ر نومبر ۱۹۰۷ ء) کہ
" ICH BIN NOCH NICHT ANGESIEDELT " جس سے انہوں نے یہ
مراد لی ہے کہ " I HAVE NOT YET SETTLED DOWN "
اگرچہ یہ لفظ جرمن میں "جم کر بیٹھنے" کے معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوتا' بلکہ نو آباد کاروں (COLONISTS / MIGRANTS / PIONEERS) کے کسی بستی کو بسانے یا ان کے کہیں "آباد ہونے" کے معنی رکھتا ہے۔

پروفیسر کرش ہوف نے اگلے چند منٹ تک اقبال کے کئی ایک خطوط کو سرسری نظر سے لیکن بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ ایک خط میں اقبال تحریر کرتے ہیں (مورخہ لندن ۲۱ ر جنوری ۱۹۰۸ء) کہ "آپ (یعنی ایما) نے لکھا تھا کہ آپ نے بڑے طوفان میں سے گزرنے کے بعد اپنی طمانیت قلب (FRIEDE = PEACE) دوبارہ حاصل کرلی ہے ... آپ جو جی میں آئے کہیے' میں بالکل کچھ نہ کہوں گا اور ہمیشہ صابر و شاکر رہوں گا۔" اس پر پروفیسر صاحبہ نے فرمایا کہ انہیں یاد پڑتا ہے کہ ان کے خاندان میں اس بات کا کچھ تذکرہ تھا کہ ایک زمانے میں (شاید ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ) ایما ہندوستان جانا چاہتی تھیں' لیکن ان کے بڑے بھائی کارل نے (جو خاندان کی سربراہی کرتے تھے) ان کو اس دور دراز ملک میں تن تنہا جانے سے منع کر دیا تھا۔ بقول پروفیسر کرش ہوف' کارل اپنے بھائیوں میں عمر میں دوسرے نمبر پر تھے۔ لیکن

سب سے بڑے بھائی امریکا میں آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ کارل، جن کا اٹلی میں، ویسٹ انڈیز (WEST INDIES) سے نیشکر اور چقندر (BEETROOT) کی چینی درآمد کرنے کا بہت بڑا کاروبار تھا، یورپ میں خاندان کے سربراہ سمجھے جاتے تھے (ہو سکتا ہے کہ مجھے پروفیسر صاحبہ کا بیان سمجھنے میں غلطی لگی ہو یا ۷ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کے روز تحریر کیے گئے نوٹوں کے لکھنے تک میری یادداشت دھوکا کھا گئی ہو، کیونکہ ویگے ناسٹ خاندان کے شجرۂ نسب کے مطابق کارل سب سے بڑے بھائی تھے اور اٹلی میں ٹری اسٹے (TRIESTE) کے مقام پر آباد ہو گئے تھے جہاں وہ شکر کا کاروبار کرتے تھے اور بہت دولت مند تھے۔ دراصل جو بھائی امریکا میں جا کر آباد ہو گئے تھے ان کا نام ارنسٹ البرٹ تھا اور وہ اپنے بھائی بہنوں میں پانچویں نمبر پر تھے، یعنی ایما کے فوراً بعد (۱۸۸۳ء میں) پیدا ہوئے تھے اور شکاگو میں بس گئے تھے۔ ہاں، بقول پروفیسر صاحبہ، کارل اور ایما ہی دراصل اسی خانوادے کا "دماغ" (BRAINS) تھے۔ بہر حال، پروفیسر کرش ہوف کی یادداشت کے مطابق ایما کے بڑے بھائی کارل نے ۱۹۰۸ء کے قریب ایما کو ہندوستان جانے سے روک دیا تھا۔ یہ بات ایک عظیم اچنبھے کو جنم دیتی ہے کہ اگر ایما ویگے ناسٹ اس زمانے میں واقعی ہندوستان پہنچ جاتیں تو اس کا علامہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن پر کیا اثر ہوتا؟ (اس پر مجھے اقبال کا وہ شعر یاد آ رہا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں۔

نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی، میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

"نالہ فراق" آرنلڈ کی یاد میں

خطوطِ اقبال بنام ایما

پھر پروفیسر ہیلا کرش ہوف نے دوبارہ وہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جس

کا انھوں نے ایک ہفتہ پیشتر مجھ سے ٹیلی فون پر ذکر کیا تھا۔ کہنے لگیں کہ ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ ایک پاکستانی شخص، جو کوئی سرکاری نمائندہ تھا (پاکستانی سفارت خانہ بون BONN کا کوئی عہدہ دار؟) ہم سے ملنے آیا۔ چونکہ ایما انگریزی نہ جانتی تھیں، اس لیے میں ترجمانی اور مددگاری کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ ایما کو پاکستان آنے کی دعوت دی گئی، لیکن ایک تو وہ کافی ضعیف ہو گئی تھیں (۱۹۶۰ء میں ان کی عمر قریب اکیاسی سال ہوگی) دوسرے وہ انگریزی نہ جانتی تھیں، اس لیے انھوں نے یہ دعوت قبول نہیں کی۔ ہاں میں نے جانے کی کچھ آمادگی ظاہر کی (غالباً ان صاحب نے "نکلفاً" پروفیسر کرش ہوف سے کہا ہو گا کہ پھر آپ ہی کیوں تشریف نہیں لے آتیں؟) لیکن اس کے بعد مزید کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہم لوگوں نے ایما ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے تمام خطوط اس شخص یا ان اشخاص کو (وہ گاہے بگاہے یوں اشارہ کرتی تھیں گویا یہ ایک نہیں دو آدمی تھے) دے دیے۔ اور مزید برآں ایما کی تمام کی تمام تصویریں بھی ان کے حوالے کر دیں (جن میں خود ایما کی تصاویر کے علاوہ شاید علامہ اقبال کی وہ تصویر بھی شامل ہو جو انھوں نے خاص طور سے ایما کے لیے کھنچوا کر بھیجی تھی۔ دیکھیے ان کا خط بنام ایما ویگے ناسٹ مورخہ لندن ۲۰ر جنوری ۱۹۰۸ء)۔ ایما نے بھی ان کو اپنی دو تصویریں بھیجی تھیں جن کا اسی خط میں ذکر ہے[1] اور یہ سب چیزیں اس کے بعد مکمل طور سے غائب ہو گئیں!

میں نے انھیں بتایا کہ خوش قسمتی سے یہ خطوط اس تمام عرصے میں دبے تو رہے ہیں، لیکن ضائع نہیں ہوئے۔ اس کے بعد میں نے ان خطوط کی بازیابی کا سارا قصہ تفصیل سے بیان کیا اور کہا کہ اگرچہ ان خطوط کا اصل متن ابھی تک شائع نہیں ہوا، تاہم کم از کم ان کا ترجمہ میں نے پاکستان کے ایک ادبی رسالے میں ضرور شائع کر دیا ہے۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ اس تمام واقعے سے خاصی آزردہ بلکہ ناراض معلوم ہوتی تھیں، کیونکہ جیسا کہ جناب ہوبوہم نے اپنے مضمون "علامہ اقبال اور جرمنی۔

نامہ و پیام دل کا" میں بیان کیا ہے۔ یہ خطوط دیتے وقت مس ایما ویگے ناسٹ نے بالخصوص درخواست کی تھی کہ "یہ مجموعہ کسی ایسے تاریخی حفاظت خانے (ARCHIVES) میں رکھ دیا جائے جہاں علامہ اقبال کی زندگی اور ان کے کام پر تحقیقات کرنے والے دانشور ان سے بہرہ یاب ہو سکیں"۔ اس پر میں نے یہ کہا کہ کیا ان کے خیال میں میں حق بجانب ہوں گا کہ ان خطوط کا اصل متن بھی (جو جرمن اور انگریزی زبانوں میں ہے) اپنی کتاب میں شامل کرلوں، جو قریب الاشاعت ہے۔ بالخصوص ان حالات میں کہ جناب امان اللہ ہوبوہم* اب المانوی سفارت خانہ لندن سے تبدیل ہو کر سعودی عرب جا چکے ہیں اور لندن یونیورسٹی کے SCHOOL OF ORIENTAL & AFRICAN STUDIES کی جانب سے ان خطوط کے متن پر مشتمل اس کتاب کے چھپنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے جس کا ہوبوہم صاحب ارادہ کر رہے تھے۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے کہا کہ میرے خیال میں تو ایسا کرنا بالکل مناسب ہو گا جب کہ پچھلے پچیس سال سے یہ خطوط کسی محافظ خانے میں پہنچنے کے بجائے کہیں غائب ہو چکے ہیں، اور تم ان کا ترجمہ شائع کرچکے ہو۔

تو یہ ہے پس منظر میرے اس فیصلے کا کہ میری کتاب "اقبال یورپ میں" کے اندر ان ستائیس خطوط کے اصل متون بھی بطور ضمیمہ شامل کرلیے جائیں۔ اگرچہ پیشتر ازیں میرا ارادہ صرف خطوط کے تراجم اُس کتاب میں شائع کرنے کا تھا۔ مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے متذکرہ بالا کتاب کا دیباچہ، جس میں میں نے لکھا ہے کہ "چنانچہ پروفیسر کرش ہوف کی اس اجازت کے پیش نظر (جو ایک طرح سے EX CATHEDRA فرمان ہے۔ یعنی ان خطوط کی مالکہ اول کی قرابت دار خاتون کی اجازت ہے جو اس مجموعے کی RELEASE (اطلاق) کے وقت موجود تھیں، میں نے مزید غور کے بعد فیصلہ کیا کہ اب ان خطوط کے اصل متون کی اشاعت میرے لیے جائز ہو گی اور ہوبو ہم صاحب اب بھی ان کے اصل مخطوطوں یعنی

---

* موصوف کا صحیح نام محمد امان ہو بوہم ہے۔ (دُرّانی۔ ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۲)

HANDWRITTEN MANUSCRIPTS کے عکس شائع کرنے کے مجاز و مختار ہیں کہ ان کی الگ اور عظیم تر قدر و قیمت ہے۔ اور سب مداحین اقبال کی آرزو اور ان سے پر زور درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد ایسا کریں" (اقتباس از اضافہ جات مورخہ ۳۰ ' ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء در دیباچہ کتاب مورخہ ۸ جولائی ۱۹۸۴ء)۔ بطور تذکرہ' یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ افسوس کہ مداحین اقبال کی یہ آرزو تا حال تشنہ تکمیل ہی ہے۔ *

ہاں' تو بات میری پروفیسر کرش ہوف صاحبہ سے گفتگو بروز ۲۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کی ہو رہی تھی۔ پروفیسر صاحبہ نے کہا کہ ایما کے نام اقبال کے ان خطوط کے پڑھنے کا یہ ان کے لیے پہلا موقع تھا۔ یہ خطوط ذاتی نوعیت کے تھے اور ایما نے اس سے پہلے یہ انہیں نہیں دکھائے تھے۔ میں نے انہیں اس مجموعے کی ایک نقل اشاعت کے بعد بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پھر پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں کچھ مزید باتیں بتائیں۔ کہنے لگیں کہ ایما کے جو بھائی اٹلی میں ٹری ایسٹ TRIESTE کے مقام پر رہتے تھے (یعنی کارل) اور جو میرے رشتے کے چچا تھے (یعنی ان کے والد کے عم زاد بھائی)' وہ کافی امیر تھے۔ اور مجھے کافی روپیہ پیسہ دیتے رہتے تھے کہ اسے اٹلی میں خرچ کر ڈالو' جہاں میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی' کیوں کہ جنگ کے دوران اسے ملک سے باہر لے جانا ممکن نہ تھا۔ جرمنی میں میرے پاس پیسہ کم تھا اسی لیے میں ہائیڈل برگ میں ایما اور صوفی کے ساتھ کافی وقت گزارا کرتی تھی' اور یوں بھی جرمنی میں وہ میری قریب ترین رشتے دار تھیں۔ میں ہفتے میں ایک دو بار ضرور ان سے ملنے جاتی تھی۔ میں نے یہاں یونیورسٹی میں اطالوی اور دیگر جدید زبانوں کی تعلیم حاصل کی (اور شاید لسانیات یعنیLINGUISTICS کی بھی؟) پھر ۱۹۴۰ - ۴۱ میں مجھے لیکچر شپ مل گئی اور کوئی دس بارہ سال بعد اپنے مطبوعہ مضامین اور رسائل کی بنیاد پر

---

* 'اقبال یورپ میں' کی طبع ثانی (فیروز سنز لاہور-۱۹۹۹ء) میں میں نے ایما کے نام اقبال کے تمام دست نوشتہ خطوط کے عکوس شائع کر دیے ہیں۔ (دُرّانی-۱۹-اکتوبر،۲۰۰۲ء)

(ON THE BASIS OF PUBLISHED WORK) جسے جرمن زبان میں HABILITATION کہتے ہیں، میں نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی، جو آخر کار میری پروفیسر شپ پر منتج ہوئی۔

کیا ایما اقبال کی اتالیق تھیں؟

یہاں سے پروفیسر کرش ہوف نے گفتگو جناب ڈاکٹر صدیق شبلی کی طرف موڑی جو چند ماہ قبل ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے جنوب ایشیائی علوم کے مرکز میں اقبال فیلو شپ کی مدت معینہ ختم کر کے واپس پاکستان لوٹے تھے۔ وہ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ سے اوائل ۱۹۸۴ء (غالباً جنوری) میں ملنے آئے تھے۔ کہنے لگیں کہ شبلی صاحب مصر تھے کہ ایما ویگے ناسٹ نے اقبال کو لاطینی اور یونانی زبانیں (LATIN AND GREEK) پڑھائی تھیں۔ میں نے ان سے بہت کہا کہ یہ ناممکن ہے، لیکن وہ نہ مانے۔ بھئی، ایما ایک اچھے پڑھے لکھے خاندان کی رکن ضرور تھی، لیکن اس نے یونیورسٹی کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ جرمنی میں پہلے پہل لڑکیوں کو یونیورسٹی میں داخلہ ۱۹۱۸ء کے بعد ملا۔ میں نے کہا، شاید پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد؟ کہ انگلستان میں بھی عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا حال کچھ ایسا ہی تھا۔ کہنے لگیں، ہاں یہ تاریخ CHECK کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایما کے، اقبال کو گریک وغیرہ پڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایما ایک بڑی ذہین لڑکی تھی، سو اس کا اقبال کو گوئٹے اور ہائنے وغیرہ اور جرمن زبان و ادب کا پڑھانا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، لیکن وہ صاحب میری بات ہی نہ سنتے تھے۔ میں نے صدیق شبلی صاحب کی صفائی میں عرض کیا کہ اس سلسلے میں وہ بے چارے غالباً" محترمہ عطیہ فیضی کے بیانات کے دھوکے میں آ گئے کیوں کہ انہوں نے اپنی کتاب

IQBAL'S LETTERS TO ATTIYA BEGUM میں اسی طرح تحریر کیا ہے (اور چند مزید بے پر کی ہوائیاں بھی اڑائی ہیں)۔ پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ میں نے اقبال اور مس ویگے ناسٹ کے تعلق خاطر کا بھی ان سے ذکر کیا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ شبلی صاحب اور کئی اور پاکستانی ان چیزوں کو شاید تسلیم نہیں کرنا چاہتے' بلکہ ان کا برا مانتے ہیں اور ایسے حقائق کو مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگیں کہ کیا یہ رویہ مشرقی معاشرے کی اقدار کی نہج پرستی (CONFORMITY TO ORIENTAL VALUES) پر مبنی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہمارے معاشرے میں عظیم انسانوں کو فرشتہ بنانے کا رجحان ضرور ہے' لیکن خود میں نے پاکستان اور ہندوستان کے حالیہ دورے میں کئی بار یہی کہا ہے کہ ہمیں علامہ اقبال کو ایک جیتا جاگتا انسان ہی سمجھنا چاہیے جس کے سینے میں ایک دھڑکتا ہوا دل ہے' نہ کہ اسے ایک فرشتہ یا پتھر کا بے جان مجسمہ تصور کرنا چاہیے (خود علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ

کیا ایک سرد دل انسان دنیا بھر کو تڑپا دینے والی شاعری کر سکتا تھا؟)

پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے کہا کہ شبلی صاحب کے جانے کے بعد میں نے اپنے ایک جاننے والے دانشور جناب پروفیسر VERMEER صاحب سے بات کی (جو اسی جنوب ایشیائی مرکز علوم میں پڑھاتے ہیں اور جن کی بیوی ایک ہندوستانی خاتون ہیں)' اور انہوں نے بھی کہا کہ مشرقی معاشرہ اور اس کی اقدار انسانوں کو جذبات و خواہشات سے عاری ہونے پر اصرار نہیں کرتیں اور نہ ایسی چیزوں کو خارق العادۃ (EXTRAORDINARY) قرار دیتی ہیں۔ پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ ایما اور صوفی دونوں نے تمام عمر شادی نہیں کی اور یوں تا دم آخر ویگے ناسٹ ہی رہیں۔ ہاں

خود میں نے ایک TEXTILE ENGINEER سے شادی کرلی' جن کا نام WOLFGANG KIRCHHOFF تھا لیکن ان کا ۱۹۵۲ء میں انتقال ہوگیا۔ ہمارے ایک بیٹی پیدا ہوئی (BETTINA) جو ایک میڈیکل ڈاکٹر سے بیاہی ہیں (ان کے شوہر کا نام بھی WOLFGANG ہے) اور جن کے یہ ننھے بچے GEORG اور REGINA تم دیکھ رہے ہو (اس مرحلے پر میں نے بچوں کی اور پروفیسر صاحبہ کی کیمرے کے ذریعے تصویریں اتاریں)۔

ایما کی تصویریں

پھر پروفیسر صاحبہ فرمانے لگیں کہ ۱۹۷۶ء میں' جب صوفی وینگے ناسٹ ایک سو سال کی ہوئیں' تو ایک بہت بڑی تقریب منعقد ہوئی۔ ہائیڈل برگ شہر کے میئر بھی اس میں شریک ہوئے اور ہمارے خاندان کے بہت سارے لوگ بھی۔ اس موقع پر میں نے بہت سی تصویریں کھینچیں' جن میں اس تمام گہما گہمی کی اور ہمارے خاندان کے سب لوگوں کی اور بالخصوص صوفی وینگے ناسٹ کی تصویریں شامل ہیں۔ چونکہ یہ ایک بڑی یادگار تقریب تھی اس لیے میرے ہونے والے داماد WOLFGANG نے ان تمام تصاویر کو جمع کرکے ان کا ایک البم بنا لیا' اور اسے اپنی منگیتر (یعنی میری بیٹی) کو تحفے کے طور سے پیش کیا۔ پروفیسر صاحبہ نے بہ کمال تلطف اس البم میں سے جسے میں بڑے شوق سے دیکھ رہا تھا' تین عدد تصاویر مجھے عطا کیں۔ ان میں سے دو میں صوفی وینگے ناسٹ مع BIRTHDAY CAKE کے اور ایک میں صوفی اور پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نظر آ رہی ہیں۔ اس تقریب کا حال اور کچھ تصویریں مقامی اخبار میں بھی شائع ہوئی تھیں جو انہوں نے مجھے دکھائیں۔

میں نے دوبارہ ایما وینگے ناسٹ کی تصویر کے بارے میں استفسار کیا کہ بہت

سے لوگ ایما کی تصویر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ انہوں نے کہا افسوس تو یہی ہے کہ ' جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا' وہ تمام تصویریں ہم نے پاکستان کے اس سرکاری آدمی کو دے ڈالی تھیں' اور اب ہمارے پاس ایما کی کوئی تصویر باقی نہیں ہے۔ لیکن ٹھہرو' میں اپنی کزن ایڈتھ (EDITH) سے' جو ڈوسل ڈورف میں رہتی ہیں' فون کرکے پوچھتی ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے ایڈتھ کے پاس ایک پرانی گروپ فوٹو (FAMILY PICTURE) ضرور ہے' جس میں تمام بھائی بہن یک جا ہیں۔ یہ تصویر ۱۹۴۸ء یا ۱۹۵۰ء میں لی گئی تھی اور اس میں امریکا والے بھائی سمیت تین بھائی (جو اس وقت زندہ تھے) اور دونوں بہنیں یعنی ایما اور صوفی موجود ہیں۔ شاید اس تصویر کی ایک کاپی ایڈتھ تمہیں دینے پر تیار ہو جائیں۔ ہاں' ایک اور تصویر بھی ہوا کرتی تھی جس میں ایما اور چند ایک ہندوستانی نوجوان ایک باغ میں یک جا نظر آتے تھے' لیکن ۱۹۷۸ء کے بعد کسی نے ہم سے وہ مجموعہ لے لیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس اس وقت صرف ایما کے سب سے بڑے بھائی کارل کی ایک تصویر موجود ہے جو انہوں نے مجھے دکھائی۔ بھورے رنگ کی ایک پرانی سی تصویر جس میں قریب پچاس برس کے ایک صاحب چشمہ لگائے نظر آ رہے تھے جو عنفوان شباب میں تو شاید بڑے خوش شکل رہے ہوں لیکن اس تصویر میں ان کے چہرے کے خدو خال کچھ بھرے بھرے اور غیر متاثر کن سے نظر آ رہے تھے۔

بہر حال باتوں کے دوران ہی پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے اپنی ڈسل ڈورف والی کزن کو ٹیلی فون کیا۔ یہ ایما کے دوسرے نمبر کے بھائی یعنی ایڈولف وسکے ناسٹ کی بیٹی ہیں (جو کارل سے قریب سوا سال چھوٹے تھے) ان صاحب کا ڈسل ڈورف میں دھات وغیرہ کی چیزیں بنانے کا بہت بڑا صنعتی کاروبار تھا (یعنی وہ " INDUSTRIAL BARON " تھے)۔ ان خاتون کا نام ایڈتھ ہے۔ خوش قسمتی سے ایڈتھ گھر پر موجود تھیں۔ پروفیسر کرش ہوف نے کہا "ایڈتھ' سنو۔ اس وقت

میرے پاس ایک پاکستانی پروفیسر تشریف فرما ہیں۔ یہ بڑے خوش مزاج شخص ہیں۔ یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پاس اپنی پھوپی ایما کی کوئی تصویر موجود ہے؟ مثلاً" وہ پرانی تصویر جس میں سارا خاندان مجتمع ہے (FAMILY REUNION PHOTOGRAPH)۔ ایڈتھ نے کہا' ہاں وہ تو میرے پاس محفوظ ہے۔ ہیلا کرش ہوف نے کہا تو پھر تم ایسا کرو کہ پروفیسر درانی کے لیے اس تصویر کی ایک کاپی نکلوا لو۔ اب کہ اقبال اس قدر شہرۂ آفاق اور قابل تعظیم (RESPECTED) ہستی بن گئے ہیں' بہت سے لوگ ایما کی تصویر دیکھنے کے خواہش مند ہیں"۔ ایڈتھ نے کہا: اچھی بات ہے۔ میں بخوشی ایسا کرنے پر تیار ہوں۔ ہیلا نے کہا اس صورت میں میں درانی صاحب سے کہوں گی کہ وہ براہ راست تمہیں خط لکھ کر درخواست کریں اور تمہیں اپنا صحیح پتا وغیرہ لکھ دیں تاکہ تم اس تصویر کی ایک کاپی انہیں ڈاک سے بھیج دو۔ ایڈتھ نے کہا: بہت خوب۔ ۲۔

ہائیڈل برگ میں مسز کرش ہوف کے ساتھ میری گفتگو تقریباً" دو گھنٹے تک جاری رہی۔ میں نے ان سے ذکر کیا کہ ہفتہ گذشتہ کے دوران میں نے میونک میں علامہ اقبال کے اس مکان کی زیارت بھی کی تھی' جہاں وہ ۱۹۰۷ء میں مقیم تھے (یعنی 41 SCHELLING STRASSE)۔ میں نے انہیں بتایا کہ کیسے جون ۱۹۸۲ء میں میں نے علامہ کے اس تحقیقی مقالے کا کیمبرج یونیورسٹی میں سراغ لگایا تھا جو انہوں نے مارچ ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے داخل کیا تھا' اور جس کی بنیاد پر چند ماہ بعد (نومبر ۱۹۰۷ء میں) انہیں میونک یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی عطا ہوئی تھی۔ اس وقت میرے پاس اس مقالے کے مطبوعہ VERSION کا وہ نسخہ موجود تھا جو میں نے ماربرگ یونیورسٹی جرمنی سے حاصل کیا تھا۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے اسے بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھا اور کہنے لگیں کہ مجھے فلسفے اور تمدنیات کے ساتھ بڑا لگاؤ ہے۔ اگرچہ میرا خاص میدان ادبیات اور لسانیات اور ان کی ساخت' یعنی LINGUISTICS ہے۔ پھر میں نے پروفیسر کرش

ہوف کو عطیہ فیضی * کی کتاب
اقبال IQBAL'S LETTERS TO ATTIYA BEGUM کا وہ ترجمہ دکھایا جو
جناب عبد العزیز خالد نے کیا ہے اور جو میں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ انہوں نے اس کی بھی ورق گردانی کی اور بہت سے جرمن الفاظ کی "تصحیحات املا (SPELLING CORRECTIONS) اس میں اپنے قلم سے نشان زد کیں جو غالباً" عطیہ فیضی سے (جو جرمن زبان نہ جانتی تھیں) سرزد ہوئی تھیں۔ ہاں میں نے ان سے استفسار کیا کہ آیا انہیں بعض ایسے اشخاص کے بارے میں کوئی معلومات ہیں، جن کا عطیہ فیضی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے مثلاً"
FRAU PROFESSOR SENESCHAL اور
HERR METZTROTH یا FRÄULEIN KÄDERNATT
لیکن انہوں نے کہا کہ وہ ان ناموں سے ناواقف ہیں، مگر کہنے لگیں کہ اس زمانے میں کوئی عورت یونیورسٹی میں پروفیسر نہ ہوتی تھی اس لیے مس یا مسز سیشال (SENESCHAL) کو پروفیسر کہنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی طرح اقبال نے اپنے خطوط میں " FRAU PROFESSOR " (پروفیسر بیگم صاحبہ) کا جو ذکر کیا ہے تو یا تو انہوں نے ہائیڈل برگ میں "PENSION SCHERRER" کی نگران خاتون کو از راہ ادب یہ لقب دیا ہے (کہ وہ وہاں طلبہ کو غالباً" جرمن زبان و ادب کی تعلیم بھی دیتی ہوں گی) یا ہو سکتا ہے کہ وہ پروفیسر شیرر صاحب کی بیگم ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کی تصدیق ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے پرانے ریکارڈ سے کی جا سکتی ہے کہ اس زمانے میں کون پروفیسر کس مضمون کی تعلیم دے رہے تھے اور اقبال نے کن پروفیسوں سے تعلیم پائی تھی۔ میں نے کہا کہ میرے خیال میں اقبال دراصل ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے طالب علم نہیں تھے صرف اس شیرر منزل میں، جسے وہ بعض اوقات "ہائیڈل برگ اسکول" بھی کہتے تھے، چند ہفتوں کے لیے زبان سیکھنے کے لیے ٹھہرے تھے۔ اس سلسلے میں میں نے انہیں جناب محمد امان ہوبوہم کا وہ مضمون بھی

---

* اس کتاب کا صحیح عنوان IQBAL (by Atiya Begum) ہے۔ (دُرّانی-۱۹-اکتوبر۲۰۰۲ء)

دکھایا جس کا ترجمہ بعنوان "محمد اقبال اور جرمنی ــــــ نامہ و پیام دل کا" چھپا ہے۔
پروفیسر کرش ہوف کہنے لگیں اس سلسلے میں کچھ مزید تحقیق کرکے میں تمہیں اطلاع دوں گی۔

گفتگو کافی طویل ہو رہی تھی، اس لیے میں نے ان کا بے حد شکریہ ادا کرکے اجازت چاہی۔ فرمانے لگیں: "چائے یا کافی تو پی کر جاؤ" لیکن میں نے کہا کہ میں ان کا مزید وقت لینا نہیں چاہتا، چنانچہ ان کی اور ان کے دختر زادوں (GRANDCHILDREN) کی تصویریں کھینچنے کے بعد ان سے رخصت چاہی تو کہنے لگیں کہ میں اب ان بچوں کو ان کی ماں کے یہاں چھوڑنے جارہی ہوں۔ اور اگر تم چاہو تو میرے ساتھ کار میں آ جاؤ اور میں راستے میں تمہیں ایما اور صوفی کے وہ دونوں مکانات دکھا دوں گی جہاں وہ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے عشروں میں مقیم تھیں۔ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، چنانچہ میں نے بہ صد امتنان ان کے ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کی۔

جب ہم مکان سے باہر نکلے، تو پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ جب میں ۱۹۳۸ء میں ہائیڈل برگ میں تعلیم حاصل کرنے آئی تو دراصل میں اپنے اس موجودہ مکان کے ساتھ والے مکان ہی میں یعنی 17 ZIEGELHÄUSER LANDSTRASSE میں بطور طالب علم مقیم تھی اور اب بھی یہ ساتھ والا مکان امریکا اور دوسرے غیر ملکی طلبہ کی اقامت گاہ ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ کئی ایک طالب علم اس مکان کے چھجوں اور BALCONIES پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ یہ سب مکانات بالکل لب دریا سڑک کے اِس پار واقع تھے۔ اور ان کے روبرو خوب صورت درخت، بوقلموں جھاڑیاں، دریا کے پُرسکون پانی کی جھلملاتی سطح اور اس پر رواں دواں بجرے، اُس کے آر پار قدیمی پل، دریا کے دوسری جانب سیکڑوں سال پرانے مکانات، گرجے اور ان کے دلکش سبز تانبے کے کلس، دریا کے پچھواڑے فرازِ کوہ پر محوِ خواب حویلیاں، اور

ان کے عقب میں ہائیڈل برگ کے قدیم قلعے (SCHLOSS) کے دلکش کھنڈرات ۔۔۔ یہ سب مل جل کر ایک ناقابل فراموش نظارہ پیش کر رہے تھے۔ اور ان مکانوں میں مقیم خوش قسمت طلبہ ایک ایسے طلسمی منظر کا حصہ نظر آتے تھے جس کی مثال دنیا کی کم ہی یونیورسٹیوں میں ہو گی۔

نوجوان اقبال جس مکان میں رہتے تھے (اور جو اس جگہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے) وہاں سے یہی دلکشا منظر ان کے لیے بہجت روح کا باعث ہوا کرتا ہو گا اور یہ انہی مناظر کے تاثر کا فیضان تھا جس کے ماتحت انہوں نے اپنی وہ بے حد حسین و جمیل نظم لکھی جو بالکل گوئٹے کے انداز میں ہے، یعنی "ایک شام" (دریائے نیکر ہائیڈل برگ کے کنارے پر)۔اور یہ انہی حسین مناظر کی یاد تھی جن کے بارے میں انہوں نے ایما ویگے ناسٹ کو اپنے ایک خط (مورخہ لندن ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء) میں سال ہا سال کے بعد لکھا تھا کہ "میں ہائیڈل برگ کے وہ ایام کبھی فراموش نہ کرسکوں گا، جب آپ نے مجھے گوئٹے کا "فاؤسٹ" پڑھایا۔۔۔۔۔۔ وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے! ۔۔۔۔۔ میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا کہ میں ہائیڈل برگ آؤں اور آپ سے اسی پرانے مقام پر ملاقات کروں۔ مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے جس کے کنارے ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے"۔

ایما اور صوفی کی قدیم قیام گاہیں

معاف کیجیے، میں اپنے موضوع سے کچھ بھٹک گیا ہوں۔ بات ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۴ء کی ہو رہی تھی نہ کہ اگست ستمبر ۱۹۰۷ء کی۔ پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے مجھے اور اپنے نواسے نواسی کو کار میں بٹھایا (جو فوراً سوگئے) اور وہ اپنی صاحبزادی BETTINA کے گھر کی طرف روانہ ہوئیں، لیکن ہماری پہلی منزل مقصود ایما اور

صوفی ویگے ناسٹ کی قدیم قیام گاہوں کی زیارت تھی - ہم پہلے MOZART STRASSE 5 کے بالمقابل رکے جہاں یہ دونوں بہنیں ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ منتقل ہوئیں۔ یہ ایک بڑا خوبصورت مکان ہے جو بوقلموں اشجار میں گھرا ہوا بڑے ہی پر سکون و دلکشا گرد و نواح کے درمیان پرانی یادوں میں کھویا ہوا سا نظر آتا تھا۔ میں نے اس کی چند تصویریں اتاریں۔ اسی مکان میں ایما ویگے ناسٹ نے اکتوبر ۱۹۶۴ء میں اپنی جان ، جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ پھر ہم "STEUBEN STRASSE" پہنچے جو پہلے مکان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔ یہاں ۱۴ نمبر کے مکان میں ایما اور صوفی ایک عرصے تک مقیم رہی تھیں☆۔ اقبال نے اپنے ایک خط (مورخہ لندن ۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء) میں ایما سے یہی پوچھا ہے کہ آیا آپ اب تک STAUBEN STR. 14 ہی میں مقیم ہیں۔ یہ مکان دوسری جنگ عظیم میں تباہ ہو گیا تھا اور اب از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے برابر میں دونوں طرف کے مکانات (یعنی نمبر ۱۶ ، ۱۲) کسی قدر پرانے نظر آتے تھے۔ اس گلی میں بھی خوب صورت درخت جلوہ افروز تھے۔ میں نے یہاں بھی ایک دو تصویریں کھینچیں۔

ان مکانات کی زیارت کے بعد پروفیسر کرش ہوف نے کہا کہ میں تمہیں کسی ٹریم اسٹاپ کے پاس اتار دیتی ہوں تاکہ تم واپس اپنے مکان (یعنی سنگھوی صاحب کی قیام گاہ) کو جا سکو۔ راستے میں وہ میرے ساتھ سائنس کے بارے میں بات چیت کرتی رہیں۔ انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ میں نیو کلیر فزیسسٹ (NUCLEAR PHYSICIST) ہونے کے باوصف ادب اور تاریخ تمدنیات میں اس قدر دلچسپی رکھتا ہوں۔ میں نے "گرم تابکاری" (THERMOLUMINESCENCE) اور اس کے اطلاقات (APPLICATIONS) پر کچھ روشنی ڈالی، مثلاً اس کے ذریعے قدیم اشیا کی عمر معلوم کرنا اور مٹی کے برتنوں، مجسموں، TERRACOTTA FIGURINES اور

☆اب، جیسا کہ 'اقبال یورپ میں' کی طبع ثانی (فیروز سنز، لاہور۔۱۹۹۹ء) میں مَیں نے لکھا ہے، ایما کے نام خطوطِ اقبال کے لفافوں سے معلوم ہوا ہے کہ صحیح پتا دراصل Steuben Str.12 تھا۔ (درّانی۔ ۱۹را کتوبر ۲۰۰۲ء)

عجائب خانوں میں رکھے ہوئے PORCELAIN وغیرہ کے نمونہ ہائے ہنر (OBJETS D'ART) کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ آیا وہ واقعی ازمنہ قدیمہ کے باقیات ہیں یا جعلی نقلیں ہیں۔ انہوں نے یہ تمام ماجرا بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا۔ اس دوران میں ہم ایک ٹریم اسٹیشن کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے ان کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس قدر وقت میرے لیے وقف کیا اور اتنی اہم اور نادر معلومات مجھے مہیا کیں۔ میں نے کہا میں گھر پہنچ کر انہیں اور مسز ایڈتھ شمٹ ـ ویگے ناسٹ کو بالضرور خط لکھوں گا (اور میں نے اس وعدے کو ایفا کیا) میں نے یہ بھی کہا کہ میں اگلے روز مسز ایلسا ویگے ناسٹ سے ملنے والا ہوں' جنہوں نے دراصل مجھے ان کا (یعنی پروفیسر کرش ہوف کا) پتا دیا تھا۔

چند لمحے' دریاے نیکر کے کنارے

جب پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے مجھے ایک ٹریم اسٹیشن پر اتارا تو میں انہیں خدا حافظ کہہ کے ٹریم کے ذریعے شہر کے مرکزی حصے میں اترا جہاں بسمارک چوک (BISMARCK PLATZ) میں بسوں اور ٹریموں کا اڈہ ہے۔ وہاں چائے وائے پی کر اور کچھ نان کباب نما چیز کھا کے تازہ دم ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ ابھی تو سہ پہر کے ساڑھے چار بجے ہیں۔ گھر جانے کے بجائے کیوں نہ دریائے نیکر کے "اقبال کنارے" (IQBAL - UFER) اور ان کی پرانی قیام گاہ کا نظارہ کیا جائے۔ چنانچہ میں بس لے کر دوبارہ NEUENHEIMER LANDSTRASSE کی شاہراہ پر پہنچ گیا۔ یہ لب دریا پر واقع بہت کافی لمبی سڑک ہے۔ میں اس پُر بہار درختوں سے گھرے ہوئے' خیابان میں قریب ایک میل کی مسافت طے کرنے کے بعد نمبر ۵۸ تک پہنچا جہاں علامہ ۱۹۰۷ء میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ یہ ایک بہت دلکش مکان ہے۔ میں

نے اس مکان کی چند ایک تصویریں کھینچیں، جس میں ایک بڑے پرتپاک نوجوان المانوی جوڑے نے میری مدد کی جو عین اس مکان کے سامنے جس پر علامہ اقبال کی انتسابی تختی نصب ہے، ایک کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں ایک پل کے ذریعے دریا کو پار کرکے دوسرے کنارے پہنچا اور خراماں خراماں (لیکن کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد) درختوں، جھاڑیوں اور گل بوٹوں سے آراستہ اس حسین خطے تک پہنچا جو اب "اقبال کنارہ" کہلاتا ہے۔ (اس کنارے کی "رسم تسمیہ" کی تفصیلات میں اس مضمون میں آگے چل کر پیش کروں گا۔ بہر حال، اقبال کنارے پر دیر تک چہل قدمی کرنے اور اس خوش منظر خطے کے حسن سے آنکھیں منور کرنے کے بعد میں تھکا ہارا شام کے ساڑھے سات بجے جناب سنگھوی صاحب کے دولت خانے پر پہنچا جہاں میں مقیم تھا، اور یوں ایک یادگار دن ختم ہوا۔

اگلے روز (اتوار ۳۰ ر ستمبر ۱۹۸۴ء) میری ممیری بہن شہناز درانی اور ان کے المانوی شوہر کارل ہائنز برن ہارٹ(KARLHEINZ BERNHARDT) ڈارم شٹاٹ (DARMSTADT) کے شہر سے اپنی کار کے ذریعے ہائیڈل برگ میں ہمارے یہاں پہنچے۔ ۳ء۔ جناب سوئسلر سے صبح کے گیارہ بجے ملاقات کا وقت مقرر ہوا تھا۔ انہوں نے اس سے ایک روز پیشتر جب میں نے انہیں ٹیلی فون کیا' تو یہ کہا تھا کہ وہ مصروفیات کی بنا پر صرف چند منٹ ہی ہمیں دے سکیں گے۔ ہم وقت مقررہ پر ان کے مکان یعنی 58 NEUENHEIMER LANDSTRASSE پر پہنچے تو جناب سوئسلر (HERR HANS - HELLMUTH ZWISSLER) نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا۔ یہ حضرت ایک خوش رو، سرخ و سفید، ہنس مکھ انسان نکلے جو قریب اڑسٹھ سال کی عمر کے تھے۔ کہنے لگے کہ میری بیگم (جن کا نام GISELA ہے) ان دنوں میونک میں ہیں، جہاں وہ رہنمایانِ سیاحت (TOURIST GUIDES) کی تربیت پر مامور ہیں۔ دراصل ایک روز قبل جب ان سے میری (جرمن زبان میں) ہاتفی گفتگو

(TELEPHONIC CONVERSATION) ہوئی تھی، تو میں غلطی سے سمجھا تھا کہ ان کی بیگم علیل رہی تھیں (حالانکہ وہ خود علیل تھے)۔ اور اس سے اگلے روز یعنی اتوار کو گھر واپس آنے والی تھیں۔ چنانچہ مجھے کچھ مایوسی ہوئی کہ بیگم سوئسلر وہاں موجود نہ تھیں۔

بہر حال جناب سوئسلر نے ہمیں اپنے دارالمطالعہ میں بیٹھنے کی دعوت دی، جو کتابوں سے معمور تھا۔ یہ کمرہ ان کے بڑے مزین ڈرائنگ روم سے ملحق تھا اور یہ دونوں کمرے صاحبانِ خانہ کی خوش مذاقی اور زیور تعلیم سے آراستگی کی شہادت دے رہے تھے۔ جناب سوئسلر ایک ریٹائرڈ ٹیکسٹائل افسر تھے جو ایک عرصے تک صنعتی تجارت میں ملازم رہ چکے تھے (ان کے پاس DIPLOM - VOLKWIRT یعنی ایم اے اقتصادیات کی ڈگری تھی) میں نے انہیں ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ مکس پلانک انسٹی ٹیوٹ (MAX - PLANCK - INSTITUT) کی لائبریرین خاتون، بیگم SCHÜTZE نے کچھ عرصہ پیشتر ان سے میری ملاقات کی خواہش کی اطلاع انہیں دے رکھی تھی۔ میرے برادر نسبتی نے اب میرا تعارف ان سے یوں کیا کہ یہ پروفیسر درانی ہیں، جو اقبال اکیڈیمی یو۔ کے کے چیئرمین ہیں (جو دراصل صحیح نہ تھا لیکن کافی کارگر ثابت ہوا) ۴۔ زیادہ تر گفت و شنید جرمن زبان ہی میں ہوئی اور کارل ہائنز صاحب نے مترجم کے فرائض ادا کیے۔

اول اول سوئسلر صاحب نے فرمایا کہ وہ علامہ اقبال اور اس مکان کے تاریخی پس منظر سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں، لیکن بتدریج وہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ ان موضوعات پر گفتگو کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ یہ مکان پہلے پروفیسر SCHERRER کی ملکیت میں تھا (واضح رہے کہ اسی لیے اقبال نے اپنے خطوط بنام مس ویگے ناسٹ میں کئی مرتبہ اس مکان کو "شیرر منزل" PENSION SCHERRER کے نام سے پکارا ہے۵۔ جب ۱۹۳۶ء کے لگ بھگ پروفیسر صاحب کا انتقال ہوا تو میری بیوی کے

والد محترم نے یہ مکان ان کے ورثاء سے خرید لیا۔ اس وقت یہ مکان بڑی خستہ حالت میں تھا اور میرے خسر نے اس کی مرمت اور تعمیر پر بہت کافی روپیہ خرچ کیا۔ پھر جب ۱۹۵۳ء کے لگ بھگ میرے خسر صاحب کا انتقال ہوا تو آدھا مکان میری بیوی کے نام آیا اور میں نے اپنی جیب سے مزید رقم صرف کرکے مکان کا باقی حصہ بھی خرید لیا' اور یوں اب یہ مکان تمام و کمال ہماری ملکیت میں ہے۔ اس وقت سے ہم نے اس مکان کی مرمت اور تزئین و تہذیب پر بہت کافی روپیہ خرچ کیا ہے۔ یہ مکان تین منزلہ ہے۔ پہلے زمانے میں اس کی بالائی منزل پر طلبہ قیام رکھا کرتے تھے۔

سوئسلر صاحب نے کہا کہ شروع میں یہ معلوم نہ تھا کہ اقبال ہائیڈل برگ میں کب اور کہاں ٹھہرے تھے (اگرچہ عطیہ فیضی کی کتاب اور اب مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط سے اس مدت کا تعین قریب ۲۰ر جولائی ۱۹۰۷ء سے قریب ۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۷ء تک کیا جاسکتا ہے*) لیکن بقول سوئسلر صاحب' یہ ایما کی ہمشیرہ صوفی (SOFIE) تھیں جنہوں نے آج سے کوئی بیس برس پہلے اس سڑک پر گذرتے ہوئے یہ مکان دیکھ کر کہا کہ "یہ ہے وہ گھر جس میں اقبال رہا کرتے تھے!"

سوئسلر صاحب کی شکایات

پھر سوئسلر صاحب مزید یوں گویا ہوئے کہ اب تو بہت سے لوگ ' بالخصوص پاکستانی طالب علم' اس مکان کی زیارت کو آتے ہیں اور مجھ سے علامہ اقبال اور ان کی اس مکان سے وابستگی کے بارے میں پوچھتے ہیں' لیکن میں اقبال کے بارے میں بالکل کچھ نہیں جانتا۔ ایک مرتبہ جناب سفیر کبیر پاکستان یہاں تشریف لائے تھے۔ اور ان کے ساتھ ان کا بہت سا سرکاری عملہ بھی تھا۔ ان سب اصحاب نے وعدہ کیا اور اس کے بعد اوروں نے بھی وعدے کیے کہ وہ مجھے پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال کے بارے میں

☆ لیکن، چوں کہ اقبال نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے اپنی درخواست میونک میں ۲۱ر جولائی ۱۹۰۷ء کو داخل دفتر کردی تھی (رک۔ دستاویز ۱، ص ۱۷۳) اس لیے اب میرا یہ خیال ہے کہ وہ لندن سے اولاً میونک، اور اُس کے بعد ہائیڈل برگ، پہنچے ہوں گے۔ (دُرّانی۔ ۲۰ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)

پوری معلومات بھیجیں گے لیکن آج تک کسی نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ صرف ایک چیز آج تک میرے ہاتھ آئی ہے، اور وہ پروفیسر انماری شمل کے ایک مضمون کی نقل (REPRINT) ہے جو ایک پاکستانی طالب علم نے مجھے بھیجا تھا (اور جو اب ان کی فائل میں محفوظ تھا)۔

ایک مرتبہ میں پی آئی اے کے ذریعے ماسکو سے فرینکفرٹ کا سفر کر رہا تھا (جن دنوں روس کو صرف یہی ہوائی لائن جایا کرتی تھی) کہ ان کے ایک رسالے میں علامہ اقبال پر ایک مضمون میری نظر سے گزرا۔ میں نے ایر ہوسٹس سے پوچھا کہ کیا میں یہ رسالہ ساتھ لے جاسکتا ہوں؟ کہنے لگی: نہیں ' اس کی اجازت نہیں ہے (میری حکومت پاکستان سے اور بالخصوص بون کے پاکستانی سفارت خانے سے پرزور استدعا ہے کہ وہ اس کمی کو فی الفور پورا کرے تاکہ بے چارے سونسلر صاحب کا یہ گلہ دور ہو۔ وہ ہماری قوم کی خاطر بہت کام کر رہے ہیں۔)

کہنے لگے کئی مرتبہ پاکستانی طلبہ یہاں آتے ہیں اور میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں (یا ٹیلی فون پر بحث کرتے ہیں) کہ دیکھیے صاحب اس انتسابی پتھر کا نچلا حصہ باد و باراں کی بدولت گھستا چلا جا رہا ہے یا تحریر دھیمی پڑتی جا رہی ہے۔ آپ اس کی مرمت کیوں نہیں کراتے؟ لیکن میں ان سے کہتا ہوں کہ ان باتوں میں میری ہرگز کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ آپ اپنی حکومت سے کہیے۔ پھر فرمانے لگے کہ دراصل بلدیہ ہائیڈل برگ کے شعبۂ تعمیر (CITY ARCHITECT'S OFFICE) نے گھٹیا ترین پتھر اس تختی کے لیے استعمال کیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ دراصل ہمیں اس انتسابی تختی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم یہ پتھر صرف اس لیے نصب کر رہے ہیں کہ بون (BONN) کی وفاقی حکومت نے ہمیں ایسا کرنے کی ہدایت کی ہے (سونسلر صاحب کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ جب ستمبر ۱۹۷۹ء میں میں نے یہ تختی دیکھی تھی اور اس کی تصویر کھینچی تھی تو اس وقت ساری تحریر بڑی واضح تھی، لیکن اب ستمبر

۱۹۸۴ء میں تحریر کافی دھندلی ہو چکی تھی اور کہیں کہیں سے پتھر کی سطح اور اس پر منقش لکھائی جھڑ چکی تھی اور جھڑ رہی تھی۔)

سوئسلر صاحب نے اپنا شکوہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ چند برس ہوئے ایک معمار نما شخص ایک بڑی سی دھاتی پلیٹ میرے مکان کی دیوار پر آویزاں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے کہا' میاں یہ کیا کر رہے ہو اور آخر کس لیے؟ اس نے جواب دیا کہ کچھ پاکستانی طالب علموں نے مجھے رقم دی ہے کہ دھات کی ایک یادگاری تختی تیار کروں اور یہاں آکر لگا دوں۔ میں نے اسے قطعاً" منع کردیا۔ پھر کچھ عرصے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی میرے مکان کی دیوار سے ایک بڑا سا پتھر اکھاڑ کر لیے جا رہا ہے۔ میں نے کہا۔ ارے بھائی کیا تم اس مکان میں کوئی گیراج تعمیر کرنے کی کوشش کر رہے ہو یا کچھ اور ارادہ ہے؟ کہنے لگا: نہیں جناب مجھے حکم ملا ہے کہ علامہ اقبال کی ایک پتھریلی یادگار(A STONE MEMORIAL TO IQBAL) یہاں قائم کروں۔ میں نے کہا: جناب والا! ٹھنڈے ٹھنڈے سدھاریئے' میں ایسی کسی یادگار کی اجازت نہیں دینے کا۔

پھر سوئسلر صاحب نے اس مکان کے بارے میں کچھ مزید تفصیلات بیان کیں۔ کہنے لگے یہ ایک بہت بڑا مکان ہے۔ پہلے پہل اس کے اندر ایک بہت بڑا زینہ (STAIR CASE) تھا جو' اب موجود نہیں ہے (یا اُس کے بجائے اب اور سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں) یہ زینہ اوپر کی منزل کو جاتا تھا جہاں پہلے طلبہ رہا کرتے تھے (اور جہاں اب ان کی صاحبزادی قیام پذیر ہیں)۔نچلی منزل میں بھی ہم نے بہت سی تبدیلیاں کی ہیں' جہاں اب ایک دندان ساز اپنے خاندان سمیت مقیم ہے۔ اس زیریں منزل (GROUND FLOOR) کا باہر کا دروازہ نقش و نگار سے مزین بڑی خوبصورت لکڑی کا ہے اور اپنی پرانی اور اصل صورت میں (ORIGINAL) ہے (میں نے بعد ازاں اس خوب صورت دروازے کی تصویر اتاری) ۔

سوئسلر صاحب نے بتایا کہ دو تین سال ہوئے انہوں نے تمام مکان کی اور اس کے بازو میں واقع DINING ANNEX (یعنی الحاقی یا مستزاد دارالطعام) کی بڑے پیمانے پر مرمت اور تزئینِ نو کی ہے۔ اس طعام خانے میں پرانے زمانے میں طالب علم کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب یہ مرمت ہو رہی تھی اور اس دوران دیوار کے چند شہتیروں پر سے پرانا پلاسٹر اکھاڑا گیا تو پتا چلا کہ اس کے نیچے کئی زبانوں میں مختلف طالب علموں نے اپنے نام کھود رکھے تھے۔ کچھ عربی میں تھے' کچھ جاپانی زبان میں اور کچھ ہندی سنسکرت میں' انہی ناموں میں بقول سوئسلر صاحب' اقبال کا نام بھی تھا۔ پھر ان شہتیروں کے اوپر سوئسلر صاحب نے دوبارہ پلاسٹر چڑھا دیا تھا۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو یہ بڑی دلچسپی کا باعث ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مکان کے ساتھ علامہ اقبال کا تعلق اب بھی قائم اور محفوظ ہے۔ ہماری بات چیت کے بعد سوئسلر صاحب نے ہمیں بڑے مکان کے مختلف حصے دکھانے کے علاوہ بازو کا طعام خانہ بھی دکھایا۔ اگر مکان کے باہر کھڑے ہو کر آپ مکان پر نظر ڈالیں (جب کہ دریائے نیکر آپ کی پشت پر ہو) تو یہ طعام خانہ مکان کے دائیں ہاتھ پر ہو گا۔ یہ بڑے سائز کا ہے' اگرچہ اس کی ساخت نسبتاً" سادہ تھی' جیسے کسی دیہاتی (FARM HOUSE) کا دالان (HALL) ۔ دیواریں جو شاید اینٹوں اور شہتیروں کی بنی ہوئی تھیں (جیسے STRATFORD - UPON - AVON میں ٹیوڈر زمانے کی عمارتیں)' ان پر گچ اور چونے کا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ میں نے اس طعام خانے کی کچھ تصویریں بھی لیں اور سوئسلر صاحب نے اشارے سے بتایا کہ کس مقام پر اقبال کے دستخط نظر آتے تھے۔

بعض متفرق اور اہم معلومات

مکان کے مختلف حصوں کا معائنہ کرنے سے پہلے جب ادھر ادھر کی باتیں

ہو رہی تھیں تو میں نے سوئسلر صاحب سے پروفیسر کرش ہوف صاحبہ سے اپنی روزِ گذشتہ کی ملاقات کا ذکر کیا اور علامہ اقبال کے ایما اور صوفی ویگے ناسٹ کے ساتھ تعلقات پر کچھ روشنی ڈالی۔ اور پھر انہیں صوفی ویگے ناسٹ کی سویں سالگرہ کی وہ تصویریں دکھائیں جو پروفیسر صاحبہ نے مجھے دی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ان میں جو میئر نظر آ رہے ہیں، وہ لارڈ میئر (LORD MAYOR) نہیں تھے شاید دوسرے یا تیسرے مرتبے کے میئر ہوں گے، کیوں کہ وہ اس زمانے کے لارڈ میئر صاحب کو جانتے تھے۔ خود ان کے صاحبزادے بلدیہ کے ملازم ہیں اور شہر میں ان دنوں جو میلہ (CARNIVAL) لگا ہوا تھا وہ اس کے سربراہ ہیں (سوئسلر صاحب ہماری ملاقات کے بعد وہیں جانے والے تھے، کہ اتوار کے میلے کی بہار دیکھیں) وہ کہنے لگے کہ جب قریب بیس برس پہلے صوفی ویگے ناسٹ نے اس مکان کی نشاندہی کی تو میں نے شہر کے افسرانِ متعلقہ سے رجوع کیا کہ اس صدی کے اوائل میں یہاں کون لوگ رہا کرتے تھے، لیکن کچھ پتا نہ چل سکا (اگرچہ اس سے پہلے سوئسلر صاحب کہہ چکے تھے کہ میں ان دنوں اقبال کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا)۔ مگر بعد ازاں جب بون (BONN) والوں نے یہاں انتسابی تختی لگانے کی خواہش ظاہر کی تو شہر کے دستاویز خانے (CITY ARCHIVES) سے پوچھ گچھ کی گئی اور انہوں نے واقعی وہ رجسٹر ڈھونڈ نکالا جس میں یہاں رہنے والے طلبہ کے نام درج تھے، بلکہ کچھ تصویریں بھی مل گئیں جن میں کئی ایک ہندوستانی طلبہ (اور، میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مس ویگے ناسٹ اور چند اور اساتذہ (TUTORS) وغیرہ) نظر آتے تھے --- یاد رہے کہ فقیر سید وحید الدین کی کتاب IQBAL IN PICTURES مطبوعہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھی ایک ایسی تصویر موجود ہے۔ بلکہ وہ لوگ عین اسی طعام خانے کے سامنے کھڑے ہیں جس کا اوپر ذکر آیا اور جس کا فرانسیسی دریچہ نما دروازہ (FRENCH WINDOW) میری کھینچی ہوئی تصویر اور سید وحید الدین والی تصویر میں ہو بہو یکساں نظر آتا ہے۔

موخر الذکر تصویر میں (جس کا عنوان ہے۔ :1907 - HEIDELBERG

(IQBAL WITH HIS LANDLADY AND FELLOW-LODGERS

ایک عمر رسیدہ خاتون کرسی پر بیٹھی ہیں اور شاید یہ وہی FRAU PROFESSOR (پروفیسر صاحبہ) ہیں جن کا اقبال نے مس ویگے ناسٹ کے نام خطوط میں بار بار ذکر کیا ہے ــــــ برسبیل تذکرہ میں یہ کہتا چلوں کہ میری برمنگھم واپسی کے بعد نومبر ۱۹۸۴ء میں پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے از راہ کرم ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی موسم گرما ۱۹۰۷ء کی ششماہی ٹرم کے "اعلان نامہ دروس"

ANZEIGE DER VORLESUNGEN 1907

(SOMMER HALBJAHR 15.APRIL)

یعنی ANNOUNCEMENT OF LECTURES-1907

FOR SUMMER HALF-YEAR APRIL-15.

کاایک منتخب حصہ مجھے ارسال کیا جس کاانہوں نے۲۹ ر ستمبر۱۹۸۴ء کی ملاقات کے دوران وعدہ کیاتھا(اور یہ تجویزخودانہوں نے کی تھی)۔ اس "یونیورسٹی کیلنڈر کے کلیتہ الفلسفہ(PHILOSOPHISCHE FAKULTÄT=FACULTY OF PHILOSOPHY)

کے ماتحت صفحہ ۳۷ پر NICHTETAT MÄSSIGE

PROFESSOREN یعنی "عارضی پروفیسرانِ اضافی"

(NON-PERMANENT ASSOCIATE PROFESSORS)

میں دوسرے نمبر پر یہ اندراج نظر آتا ہے۔

PROFESSOR SCHERRER:

ENTWICKLUNGSGESCHICHTE DER MENSCHHEIT,I

(یعنی تاریخ ارتقائے انسانیت - حصہ اول)

اور پھر

WOHNUNGEN DER DOZENTEN

(= LODGINGS OF UNIVERSITY TEACHERS)

(SOMMER - SEMESTER 1907)

یعنی اساتذہ کے مکانات کے پتے

(سمرٹرم ۔ ۱۹۰۷)

کے عنوان کے تحت صفحہ ۴۳ پر پروفیسر شیرر کا پتا یوں درج ہے:

SCHERRER, PROF. NEUENH. LANDSTR. 52

جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر شیرر ۶۔ خود اس سڑک (NEUENHEIMER LANDSTRASSE) کے نمبر ۵۲ پر مقیم تھے، جب کہ یہ مکان (نمبر ۵۸) جو انہی کی ملکیت میں تھا، غیر ملکی طلبہ کے اقامت خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

ہوسکتا ہے کہ پروفیسر اور بیگم شیرر کی رہائش اور نمبر ۵۸ سے ان کے تعلقات کے بارے میں ہم مزید معلومات پروفیسر شیرر کے ورثا سے حاصل کرسکیں جن میں سے ایک کا پتا سونسلر صاحب نے مجھے مہیا کیا تھا۔ (جہاں تک مجھے یاد ہے) وہ پروفیسر شیرر کی شادی شدہ صاحب زادی ہیں جو خود ایک وکیل (SOLICITOR) ہیں اور جن کا پتا یوں ہے:

HANNELIESE ECKER - SCHERRER

BRESLAUER STRASSE 37C

75 KARLSRUHE - WALDSTADT (W. GERMANY)

اسی طرح انہی خاتون کی ایک کزن MRS ELSIE W. HAYDEN ہیں، جو امریکا میں آباد ہیں، ان کا ۱۹۶۷ء کا پتا یوں تھا:

4221 NORTH KEDVALE AVENUE

CHICAGO, ILLINOIS - 60641 (U.S.A.)

یہ دونوں خواتین مئی ۱۹۶۷ء میں "شیرر منزل" کی زیارت کرنے کے لیے گئیں اور وہاں ان کی ملاقات بیگم سوئسلر سے ہوئی۔ یورپ کے پانچ ہفتے کے دورے کے بعد جب مسز ہائیڈن واپس امریکا پہنچیں تو انہوں نے ۱۲ر جولائی ۱۹۶۷ء کے روز مسٹر اور مسز سوئسلر کو شکاگو سے جرمن زبان میں ایک خط لکھا۔ یہ سوئسلر صاحب کی "اقبال فائل" میں محفوظ تھا اور اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں وہ لکھتی ہیں کہ " میں آپ کو دو منسلکہ تصویریں بھیجتی ہوں جو میں نے آپ کے مکان کے پچھواڑے کے باغ میں اتاری تھیں۔ وہ باغ اس قدر خوب صورت ہے اور آپ نے وہاں ہر چیز اتنی محبت کے ساتھ آراستہ کی ہے کہ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ اس مکان کی اس درجہ قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اس کی داستان (یا تاریخ) واقعی دلچسپ ہے۔ اور وہ بہت سے طلبہ جو میرے جد امجد (دادا ر نانا GROSSVATER) پروفیسر ہنس شیرر (PROF. HANS SCHERRER) کے گھر میں رہتے تھے اب دنیا کے گوشے گوشے میں اپنے اپنے وطن کو لوٹ چکے ہیں۔ میں نے اکثر اس ہندوستانی طالب علم مسٹر پنڈت کے بارے میں سوچا ہے' جس کی بیوی اب بہت مشہور و معروف ہیں ے۔ اور جو خود مرض دق سے انتقال کر گیا تھا۔ یہ طالب علم کئی مرتبہ انگلستان میں آکسفورڈ یا کیمبرج یونیورسٹی سے چھٹیاں منانے ہائیڈل برگ آیا کرتا تھا ...." اب معلوم نہیں کہ خود یہ خاتون (مسز ہائیڈن) بقید حیات ہیں یا نہیں۔

جناب سوئسلر سے بات چیت کافی طویل ہو گئی تھی اور انہوں نے از راہ کرم چند منٹ کے بجائے ہمیں تقریباً" ڈیڑھ دو قیمتی گھنٹے عطا کر دیے تھے۔ مکان کے اندر اور باہر کے مختلف حصے دکھانے سے پہلے (جن میں اس مکان کا بے حد خوبصورت' بوقلموں پودوں' جھاڑیوں 'پھولوں اور بیل بوٹوں میں گھرا ہوا باغ بھی شامل تھا' جس کا مسز ہائیڈن نے ذکر کیا ہے) جناب سوئسلر نے ہمیں اپنی وہ بے حد بیش قیمت اور

معلومات افزا فائل دکھائی جو انہوں نے اس گھر کے ساتھ علامہ اقبال کے تعلقات کی بابت بڑی خوش نظمی اور جز رسی کے ساتھ مرتب کر رکھی ہے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آیا میں اس امر کی جسارت کر سکتا ہوں کہ وہ یہ فائل ہمیں عاریتا" عطا کر دیں اور میرے کزن اس کے چیدہ چیدہ اجزا کی نقل حاصل کرنے کے بعد انہیں یہ فورا" واپس کردیں؟ یہ جناب سوئسلر کی فراخ دلی اور اعتماد کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ انہوں نے بلا تامل میری یہ درخواست قبول کرلی۔ آخر الامر' وقت کی کمی کی وجہ سے میرے کزن برن ہارٹ صاحب در حقیقت میری واپسی سے قبل اس کی فوٹو کاپی نہ کرسکے' چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ برمنگھم لے آیا اور اس کی تمام و کمال عکسی نقل اتارنے کے بعد میں نے بھرپور شکریے کے ساتھ یہ فائل ۱۷ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ان کو لوٹا دی۔

اس فائل کے سارے مواد کا احاطہ کرنا یہاں ناممکن ہے (جیسا کہ ذکر ہوا' مسز ہائیڈن کا مندرجہ بالا خط اور پتے بھی اسی فائل سے حاصل ہوئے)' لیکن یہاں اس مکان کی انتسابی تختی کی تنصیب اور اس سے متعلق دیگر واقعات کا ذکر شاید نامناسب نہ ہو اور یوں یہ معلومات محفوظ بھی ہو جائیں گی۔

اقبال یادگاری تختی کی تنصیب

سوئسلر صاحب کی فائل کے مختلف کاغذات سے ان کے مکان نمبر ۵۸ نوئین ہائمر لنڈشڑاسے ("شاہراہِ خانۂ نو") پر' علامہ اقبال کے اس میں قیام (غالبا"☆ ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء تا ۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۷ء) ۸ء سے متعلق یادگاری تختی کی تنصیب کے CHRONOLOGICAL SEQUENCE (ترتیب زمانی) کا جہاں تک میں تعین کرسکا ہوں' وہ یوں ہے:

☆ قریب

۱۔ ۲۰ر جون ۱۹۶۶ء کے روز ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی "انجمن دانش جُویانِ پاکستان"
(PAKISTAN ISCHER
STUDENTENVEREIN)
= PAKISTAN STUDENTS SOCIETY)
کے صدر، جناب M.S. BOIKHAN (بائی خان ر بوئی خان ر بھائی خان؟) نے جناب سوئسلر اور ان کی بیگم صاحبہ کو ایک خط لکھا کہ ان کی اطلاع کے مطابق سر محمد اقبال ۱۹۰۷ء میں تین ماہ کے لیے ان کے مکان میں ٹھہرے تھے (اس کے بعد انہوں نے علامہ اقبال کا تعارف کرایا اور میونخ اور برلن میں ان کی یادگاروں MEMORIALS کے قیام کا ذکر کیا)۔ چنانچہ جناب سفیر پاکستان، جرمن پاکستان فورم، اور پاکستانی انجمن طلبہ کی جانب سے انہوں نے استدعا کی کہ سوئسلر صاحب کے مکان پر علامہ اقبال کی یادگاری تختی کی تنصیب کی اجازت دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ سفیر کبیر پاکستان جناب عبد الرحمٰن خان نے BADEN-WÜRTTEMBERG کی ریاست کے (جس میں ہائیڈل برگ کا شہر واقع ہے) وزیر اعلیٰ جناب ڈاکٹر کیزنگر (DR KIESINGER)، بعد ازاں وفاقی جمہوریہ جرمنی کے چانسلر) کے ساتھ اس بارے میں بات چیت کی ہے اور وہ دونوں اصحاب اس تجویز سے پوری طرح متفق ہیں۔ انہوں نے مزید یہ بھی لکھا کہ اس سلسلے میں آپ پر کوئی مالی بوجھ نہیں پڑے گا کیونکہ بلدیۂ ہائیڈل برگ اور سفارت خانہ ء پاکستان، بون، سب اخراجات کے متحمل ہوں گے۔

۲۔ مورخہ ۲۱ جون ۱۹۶۶ء کو بلدیہ ہائیڈل برگ کے "اول رئیس شہر" (ERSTER BÜRGOMEISTER) جناب کلیمؔ (KLEMM) نے سوئسلر صاحب کو تائیدی خط لکھا کہ سفیرِ پاکستان نے علامہ اقبال کی ہائیڈل برگ کی قیام گاہ پر ایک یادگاری تختی آویزاں کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس دوران میں اس امر کی توثیق

ہو گئی ہے کہ سر محمد اقبال آپ کے مکان (58 NEUENHEIMER LANDSTRASSE) میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ چنانچہ میں یہ خط صدر انجمن طلبہ پاکستان کے خط مورخہ ۲۰ر جون ۱۹۲۶ء کی تائید میں آپ کو تحریر کر رہا ہوں اور ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ اس تختی کی تنصیب کی تجویز سے اتفاق فرمائیں گے۔ ہمارے محکمہ تعمیرات کو اس تختی کی تنصیب پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

۳ ۔ ۲۳ر جون ۱۹۲۶ء کو سو ئسلر صاحب نے رئیس شہر کو لکھا کہ میری بیگم اور میں بخوشی آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ ہمارے مکان پر سر محمد اقبال کی یادگاری تختی نصب کی جائے۔ ہمارے خیال میں اس کے لیے بہترین جگہ ہمارے باغ کی بیرونی دیوار ہوگی جہاں یہ آسانی سے زائرین کو نظر آسکے گی۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تختی ہمیں اس حق سے محروم نہ کرے گی کہ ہم حسب ضرورت اس دیوار میں بعد ازاں کوئی ردوبدل کر سکیں۔

۴۔ ۲۴ر جون ۱۹۲۶ء کو سو ئسلر صاحب نے انجمنِ طلبۂ پاکستان کو جوابی خط لکھا اور ان کے ۲۰ جون والے مکتوب اور حالیہ ملاقات (VISIT) کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا کہ اس اثنا میں انہیں رئیس شہر جناب KLEMM کا خط بھی موصول ہو چکا ہے اور وہ باغ کی بیرونی دیوار پر اس یادگاری تختی کے لگانے کی تجویز سے اتفاق کا اظہار کر چکے ہیں ۔ "براہ کرم یہ بتایئے کہ کس روز اور کس شکل (FORM) میں یہ تختی آپ نصب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میری بیوی اور میں آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے از راہ تلطف ہمیں اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی ہے جو تیس جون کو علامہ اقبال کے اعزاز میں منعقد ہو رہی ہے۔ ہم اس میں بخوشی شامل ہوں گے"۔

یہ آخری سطور اس دعوت نامے کے جواب میں تھیں جو انجمن طلبہ پاکستان کے صدر (MR M. S. BOIKHAN) اور معتمد (جناب ایس ۔ اے ۔ رضوی) نے سفارت خانہ پاکستان، جرمن ۔ پاکستان فورم، اور اپنی انجمن کی جانب سے جمعرات ۳۰ر

جون ۱۹۶۶ء کی شام کے سات بجے منعقد ہونے والی "شام اقبال" (IQBAL-ABEND) میں شمولیت کے لیے انہیں بھیجا تھا۔ سوئسلر صاحب کی فائل میں اس دعوت نامے کی ایک نقل موجود ہے جس میں پاکستانی طعام کے بعد مندرجہ ذیل پروگرام درج ہے۔ تقاریر از سفیر پاکستان ۔ رئیس بلدیہ ہائیڈل برگ ۔ لیکچر از پروفیسر ڈاکٹر اے ۔ شمل بعنوان "اقبال ۔ حکیم الامت اور شاعر"۔ فلمیں ۔ پاکستانی نغمہ و رقص ۔

۵ ۔ ۲۹ر جون ۱۹۶۶ کے روز ہائیڈل برگ کے اخبار HEIDELBERGER TAGEBLATT ("روزنامہ ہائیڈل برگ") میں تقریباً ایک صفحے پر محیط ایک خاص مضمون شائع ہوا جس میں سوئسلر صاحب کے مکان کی تصویر (جہاں "اقبال ۱۹۰۷ء میں تین ماہ کے لئے فروکش ہوئے تھے") کے نیچے مس ایما ویگے ناسٹ کی عنفوان شباب کی وہ تصویر دی گئی ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے(اور جس کی اصل کی ایک کاپی محترمہ EDITH SCHMIDT- WEGENAST نے مجھے عطا کی تھی)۔ اور اس کے پہلو میں علامہ اقبال کی نوجوانی کی ایک تصویر بھی ہے (ان دونوں تصویروں کا ماخذ "پرائیویٹ" درج کیا گیا ہے اور ان کے نیچے عنوان یوں تحریر کیا گیا ہے۔ ہائیڈل برگ میں ان کی دوستی کا آغاز ہوا' (بائیں) ایما ویگے ناسٹ' اور پاکستان کے قومی شاعر اور فلاسفر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال۔

اس مضمون میں دو ایک بڑی دلچسپ باتیں ہیں' جن کا یہاں ذکر شاید دلچسپی کا باعث ہو۔ علامہ اقبال کا خاصا مفصل تعارف کرنے کے بعد' ہائیڈل برگ میں ان کی آمد ("جہاں ان کا المانوی فلسفیوں کے ساتھ رابطہ قائم ہوا") کے تذکرے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل پیراگراف تحریر کیے گئے ہیں۔

۱۴ر مارچ ۱۹۱۶ء کے روز☆ اس اخبار (یعنی "روزنامہ ہائیڈل برگ") نے محمد اقبال کی (جو اُس وقت بھی شمالی ہندوستان میں قائم ہونے والی ایک آزاد مسلم ریاست

☆ پہلی جنگِ عظیم کے دَوران! (دُرّانی ۔ ۲۰؍اکتوبر ۲۰۰۲ء)

کے علم بردار کی حیثیت سے معروف تھے) ایک نظم شائع کی' جو ہائیڈل برگ کے بارے میں لکھے گئے تمام گیتوں میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ایشیائی اجنبی پر بھی اس شہر کے مناظر نے ویسا ہی گہرا اثر پیدا کیا جیسا کہ انہوں نے المانیہ کے رومانوی شعرا پر کیا تھا۔ آج ہم پچاس سال قبل کے "روزنامہ ہائیڈل برگ" سے یہاں اس نظم کے اردو متن کا وہ "لفظی منظوم ترجمہ" (جیسا کہ وہاں اسے پکارا گیا تھا) نقل کرتے ہیں' جو ہم نے اس وقت شائع کیا تھا۔

"دریائے نیکر کے کنارے۔ رات کے دو بجے لکھی گئی۔" (اس کے بعد علامہ اقبال کی مشہور نظم: "ایک شام ۔ دریائے نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر" کا جرمن زبان میں ترجمہ درج کیا گیا ہے)

پھر یہ تذکرہ یوں جاری رکھا گیا ہے۔

"ہائیڈل برگ میں چونتیس سالہ اقبال ۹ء نے صرف معدودے چند اشخاص سے تعلق قائم کیا۔ اسے یہاں دریا کے کنارے تنہا گھومنا بہت مرغوب تھا' جہاں فطرت کے حسین مناظر اس کی فکر کو بر انگیختہ کرتے تھے۔ صرف ایک عورت کے ساتھ اسے گہرا لگاؤ پیدا ہوا اور یہ تھی اس سے عمر میں چھ سال چھوٹی مس ایما ویگے ناسٹ' جس کے ساتھ اقبال کا تعارف پروفیسر شیرر (PROFESSOR SCHERRER) کے مکان میں ہوا۔ اقبال کی اس عینی شاہد کا انتقال چھیاسی سال کی عمر میں گذشتہ سال ہوا ہے (در اصل مس ویگے ناسٹ کا انتقال ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو پچاسی برس کی عمر میں ہوا تھا۔ پیدائش ۲۶ ر اگست ۱۸۷۹ء) اس کی بہن صوفی (SOFIE) جو اب ہائیڈل برگ کے ایک "بڈھوں کے گھر" (یا "پیراں خانے") (ALTERSHEIM = OLD PEOPLES' HOME) میں رہتی ہیں' یوں رقم طراز ہیں:

"جناب پروفیسر ڈاکٹر اقبال جو اپنی تعلیم میں ہمہ تن منہمک تھے' ان کے ساتھ

ایما کی روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی اور وہ ہمیشہ ان روح پرور باتوں پر خوش ہوا کرتی تھی، جو متواتر ان دونوں کے درمیان گوئٹے کے کلام کے مطالعے کے بارے میں ہوتی تھیں۔ گوئٹے اقبال کا محبوب شاعر تھا اور وہ ہمیشہ اس کے متعلق بات چیت کیا کرتے تھے۱۰۔ اس بات کا ثبوت کہ میری بہن ایما نے اقبال کے (ذہنی) ارتقاء (ENTWICKLUNG = DEVELOPMENT) پر ایک یقینی اثر پیدا کیا، اس کے (یعنی ایما کے) نام کیمبرج سے ایک قدیمی دوست کے خط سے ملتا ہے جو ہندوستانی تھا۔ اس دوست نے لکھا کہ جناب پروفیسر ڈاکٹر اقبال جو واپس کیمبرج جا بسے تھے (ÜBERSIEDELTE = MOVED TO, EMIGRATED) اس قدر بدل گئے ہیں کہ ان کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ اور اس کا واحد اور تنہا سبب ان پر تمہارا خوش گوار اثر ہے"۱۱۔

روزنامہ ہائیڈل برگ مورخہ ۲۹ر جون ۱۹۶۶ء کا یہ مضمون مزید بیان کرتا ہے:

"ایما ویگے ناسٹ نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ہائیڈل برگ کے فوجی شفا خانے میں صلیبِ احمر کی نرس ROTKREUZ SCHWESTER (RED CROSS SISTER) کے طور پر کام کیا۔ پھر ۱۹۲۰ء سے لے کر اڑتیس برس تک وہ یونیورسٹی فارمیسی UNIVERSITÄTS APOTHEKE میں ٹیکنیکل اسسٹنٹ کے طور پر ملازم رہی۔ اس عرصے میں اس کو محمد اقبال نے ستائیس خط لکھے، جو اب پاکستان کے دستاویزی محافظ خانے میں رکھ دیئے گئے ہیں، اور اس طرح حکیم الامت کے حیطہ ء فکر کا ایک قیمتی مظہر (ZEUGNISSE = EVIDENCE) ہیں" ۱۲

روزنامہ ہائیڈل برگ (۲۹ ر جون ۱۹۶۶ء) کا مضمون ان الفاظ کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

"...... اقبال کے افکار اس کی وفات کے بعد پاکستانی نوجوانوں کے سینوں میں اب تک زندہ و پائندہ ہیں، اور اب ہائیڈل برگ میں بھی ایک تختی اس عظیم مفکر کی یاد دلائے گی، جس نے ہمارے اسی شہر میں اپنے فلسفے کے کئی بنیادی پتھر حاصل کیے اور انہیں اپنی جگہ پر جمایا۔" (اس مضمون کے نیچے یہ ATTRIBUTION یعنی مصنف یا مصنفین کے نام دیے گئے ہیں ـــــ BOIK / ROSCH جن میں سے پہلے نام سے مراد شاید MR BOIKHAN ہے؟)

اس مضمون کے نیچے یہ اعلان بھی درج ہے "کل جمعرات کو شام کے آٹھ بجے بون (BONN) سے آنے والی مستشرقہ پروفیسر ڈاکٹر انماری شمل (PROF. DR ANNEMARIE SCHIMMEL) (جنہوں نے " BOTSCHAFT DES OSTENS " "پیام مشرق" کے نام سے اقبال کا جرمن زبان میں ایک ترجمہ شائع کیا ہے)۔ نئی یونیورسٹی کے ہال میں ایک جشنیہ مقالہ بعنوان "اقبال جرمنی میں" پیش فرمائیں گی۔ علاوہ ازیں پاکستان کے سفیر کبیر اور ہائیڈل برگ کے لارڈ میئر (OBERBÜRGERMEISTER) تقریریں کریں گے، اور پاکستانی طلبہ نغمہ و رقص کا ایک پروگرام پیش کریں گے۔

۶۔ ہفتہ ر اتوار ۱۷ر ۱۸ ستمبر ۱۹۶۶ء کے اخبار

" RHEIN - NECKAR - ZEITUNG " میں ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی کہ بروز جمعہ (۱۶ ر ستمبر ۱۹۶۶ء) پاکستان کے حکیم امت اور عظیم شاعر محمد اقبال کی یاد میں (جو ۱۹۰۷ء میں ہائیڈل برگ میں قیام پذیر تھے) ایک جلسہ ہوا جس میں پاکستانی اور جرمن طلبہ، اور شہر اور یونیورسٹی کے نمائندے جمع ہوئے۔ المانیہ کے وزیر ثقافت پروفیسر ہان (KULTUR MINISTER PROF. WILHELM HAHN)

نے NEUENHEIMER LANDSTRASSE کے مکان نمبر۵۸ پر نصب یادگاری تختی کی نقاب کشائی کی۔ پاکستان کے سفیر کبیر جناب عبدالرحمٰن خان کے شانہ بشانہ یونیورسٹی کی ریکٹر(رئیسہ جامعہ)پروفیسر مارگو بیکے (PROF. MARGOT BECKE)، جنوبی ایشیا کی انسٹیٹیوٹ کے ڈائرکٹر پروفیسر یوزاتس (PROF. JUSATZ)' اور بلدیہ کے رئیس اول کلیّم (KLEMM)اس جلسے میں شرکت فرما تھے۔

اس کے بعد مختلف مہمانوں نے تقاریر کیں۔ " سفیرِ پاکستان جناب عبد الرحمٰن خان نے بالخصوص انجمنِ دانش جُویانِ پاکستان کے صدر جناب BOIKHAN کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس قدر سرگرمی کے ساتھ علامہ اقبال کی یادگار کی تختی کے نصب کرنے کے خیال کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ اس کے علاوہ سفیرپاکستان نے ہائیڈل برگ کی ایک شہری خاتون صوفی ویگے ناسٹ کے لیے کلمات تکریم و توقیر کہے جس کی چھیاسی سالہ بہن ایما ویگے ناسٹ کا پچھلے سال انتقال ہوا ہے۔ موخرالذکر خاتون کے ساتھ محمد اقبال کو گہرا انس تھا اور وہ خطوط جو اس پاکستانی فلسفی نے ایما کو لکھے تھے وہ اس کی فکر و روح کی ایک زندہ نشانی کے طور سے پاکستان کے دستاویزی محافظ خانے (ARCHIVES) میں محفوظ ہیں۔"

میرا خیال ہے کہ پاکستانی قوم اور تمام مداحین اقبال کو جناب BOIKHAN کا بے حد ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے خدمت اقبال میں یہ عظیم کارنامہ انجام دیا۔ اسی لیے میں نے اس مضمون میں ان کا کئی مرتبہ تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح المانیہ میں اُس وقت کے سفیر جناب عبد الرحمٰن خان کی تمام کوششیں اور ذاتی دلچسپی نہایت قابل قدر ہے۔ ہاں یاد رہے کہ ایما کی ہمشیرہ صوفی ویگے ناسٹ کی عمر۱۹۶۶ء میں نوے سال کی تھی اور اسی ضعیف العمری کی بنا پر وہ اس یادگاری جلسے اور اس سے تین ماہ قبل منعقد ہونے والی "شام اقبال" میں شرکت نہ کر سکی تھیں۔ موصوفہ کا انتقال (پروفیسر کرش ہوف کی اطلاع کے مطابق) ۱۰۲ سال کی عمر میں ۱۹۷۸ء میں ہوا، یعنی وہ

جشن صد سالہ اقبال کی گہما گہمیوں اور غلغلہ اندازیوں کے دوران زندہ تھیں۔

اسی تاریخ (یعنی ہفتہ۔ اتوار، ۱۷ ر ۱۸ ستمبر ۱۹۷۶ء) کو شائع ہونے والے اخبار "روزنامہ ہائیڈل برگ" میں بھی اس موضوع پر ایک مفصل رپورٹ طبع ہوئی، جس میں چند مزید معلومات درج ہیں۔ اس رپورٹ کے آخری دو پیراگرافوں کا ترجمہ قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش خدمت ہے۔:

"جب اس تختی کی نقاب کشائی کی تاریخ کا اعلان ہوا تو بہت کم وقت باقی تھا مگر ویبلنگ کے باسی (WIEBLINGER) سنگ تراش مسٹر ڈیٹرش وولف (WOLF، DIETRICH) نے محض چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس بے حد خوبصورت انتسابی تختی کا نہ صرف خاکہ تیار کرلیا بلکہ اس کی سنگ تراشی بھی مکمل کرلی۔

جشن نقاب کشائی کا اختتام ایک ضیافت پر ہوا جو دریائے نیکر کے آب رواں پر تیرتے ہوئے ایک "ریستورانی بجرے" (RESTAURANT-SCHIFF) میں دی گئی۔ اس موقع پر بیگم سوئسلر نے بیان کیا کہ جب بطور مالکہ مکان انہیں یہ اطلاع ملی کہ ان کے باغ کی بیرونی دیوار، پتھر کی بنی ہوئی ایک یادگاری تختی سے مزین کی جائے گی تو انہیں اس پر بہت خوشگوار تعجب ہوا تھا۔ رئیس بلدیہ جناب کلیمؔ نے دعوت کے دوران پاکستانی طلباء کو یہ بھی بتایا کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ ہائیڈل برگ کی ایک سڑک کا نام اقبال کے نام پر رکھا جائے"۔

(اس کی تفصیل نیچے دیکھیے)

یہاں اس بات کا ذکر شاید مناسب ہو کہ دونوں اخباروں میں اس رسم نقاب کشائی کی جو تصویریں چھپی ہیں (اور جن میں سفیر پاکستان کے ساتھ جناب بوگی خان اور وزیر ثقافت پروفیسر ڈاکٹر و ہلیلم ہان دکھائی دیتے ہیں)' ان میں نظر آنے والی تختی وہ نہیں ہے جو آج کل اس مکان پر نصب ہے بلکہ کافی سادہ اور مختصر ہے' اس پر صرف یہ الفاظ (ان دنوں) تحریر تھے۔

MOHAMMAD IQBAL 1876 - 1938

NATIONAL - PHILOSOPH, DICHTER UND

GEISTIGERVATER PAKISTANS LEBTE HIER

IM JAHRE 1907

محمد اقبال ۱۸۷۶ء - ۱۹۳۸ء

قومی فلاسفر۔ شاعراور روحانی خالق پاکستان

یہاں ۱۹۰۷ء میں مقیم تھے

ظاہر ہے کہ ستمبر ۱۹۶۶ء والی تختی کی نسبت سائز میں بہت بڑی اور مفصل انتساب کی حامل موجودہ تختی (جس کی تصویر میری کتاب "اقبال یورپ میں" میں دیکھی جاسکتی ہے) بعد ازاں نصب کی گئی تھی' جیسا کہ نکتہ ۷ میں ذکر آتا ہے۔

۷۔ یکم اپریل ۱۹۶۸ء کے تحریر کردہ ایک خط میں جو جناب سونسلر کی مذکورہ بالا فائل میں محفوظ ہے۔ پاکستان کی انجمن طلبہ کے (نئے) صدر جناب ایم۔ اے۔ کے نیازی' جناب سونسلر اور بیگم سونسلر صاحبہ سے یوں خطاب کرتے ہیں۔

"سفیرِ پاکستان عزت مآب جناب عبد الرحمٰن خان اور ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی انجمن طلبہ کی جانب سے میں آپ دونوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ

نے ہمیں اجازت دی کہ اپنے قومی فلسفی و شاعر محمد اقبال کی تحریری تختی کے نیچے ہم ایک مستزاد تختی نصب کر سکیں۔" (اس کا کوئی جوابی خط سونسلر صاحب کی فائل میں نہیں ہے۔ نہ مزید معلومات فی الحال دستیاب ہیں)۔

۸۔ رئیس بلدیہ جناب KLEMM نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دکھایا' جس کا ذکر مندرجہ بالا نکتہ ۶ (بابت ستمبر ۱۹۷۹ء) میں آیا ہے۔ سونسلر صاحب کی فائل میں ایک سبز رنگ کا کارڈ محفوظ ہے جو سفیر کبیر پاکستان' عزت مآب جناب عبد الرحمٰن خاں اور ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی انجمن دانش جویان پاکستان کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ اس میں جناب سونسلر اور ان کی بیگم صاحبہ کو ایک جشنیہ اجتماع میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ یہ تقریب جمعہ ۱۴ر فروری ۱۹۷۹ء کے روز دو بجے سہ پہر کو منعقد ہو رہی تھی جب کہ وفاقی شاہراہ نمبر ۳۷ (BUNDESSTRASSE 37) کے ایک حصے کا نام پاکستان کے حکیم الامت اور شاعر' پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال کے نام پر "اقبال کنارہ" (IQBAL - UFER) رکھا جانے والا تھا۔ کارڈ پر مزید پروگرام یوں درج ہے:

۱۔ پاکستانی کھانے۔ ساڑھے چھے بجے شام' طلبہ کے ایک طعام خانے میں

(MENSA AM KLAUSENPFAD, TIERGARTENSTRASSE 104)

۲۔ کلام اقبال کی پیش کش (کلاؤزن فاد کے ہال میں)

۳۔ نغمہ و موسیقی' رقص اور دیگر ثقافتی مظاہرے (PERFORMANCES)

۹ر فروری ۱۹۷۹ء کو جناب و بیگم سونسلر نے انجمنِ طلبہ کو ایک جوابی خط لکھا اور معذرت کی کہ وہ اس جشنیہ تقریب میں شامل نہیں ہو سکیں گے کیونکہ اگلے ہفتے انہیں ایک بڑے ضروری کام سے بیرون ملک سفر پر جانا ہو گا۔ انہیں اس جلسے میں شریک نہ ہو سکنے کا بڑا قلق رہے گا' لیکن شاید کسی آئندہ تقریب میں وہ شرکت کر سکیں گے۔ آخر میں انہوں نے لکھا کہ اگر انجمنِ طلبہ یا سفارت خانۂ پاکستان انہیں

اپنے ملک اور علامہ اقبال کی حیات و تصنیفات کے بارے میں کچھ لٹریچر مہیا کر سکیں تو وہ دونو بہت ممنون ہوں گے۔

(بقول جناب سوئسلر انہیں علامہ کے بارے میں آج تک کسی نے کوئی معلومات یا کتابیں بھیجنے کی تکلیف نہیں کی)

۹۔ ہفتہ / اتوار ۱۵ لغایت ۱۶ فروری ۱۹۷۹ء کے "رائین۔ نیکر اخبار" کا ایک تراشہ سوئسلر صاحب کی فائل میں موجود ہے۔ اس میں ایک سہ کالمی رپورٹ اس جلی عنوان کے تحت درج ہے:

"دریائے نیکر پر پاکستانی جھنڈے لہراتے ہیں"

رپورٹ کا آغاز یوں ہوتا ہے: "کارڈ بورڈ کے پیچھے دو ایسے ہی سادہ سے 'گلیوں کے نام والے نیلے تختے پوشیدہ تھے' جن پر سفید رنگ کی لکھائی تھی جنہیں آدمی ہائیڈل برگ کے کونے کونے پر دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود قریب ایک سو زائرین انتظار میں کھڑے تھے۔ اور دونوں جرمن ٹیلی ویژن کمپنیوں اور اخباری فوٹو گرافروں کے کیمروں کی آنکھیں مشتاق دید تھیں کہ اس وقوعے کا نظارہ کریں' یعنی "اقبال کنارے" کے نام کی رسم رونمائی۔ سفیر پاکستان عزت مآب جناب عبد الرحمٰن خان بہ نفسِ نفیس وہاں موجود تھے اور انہوں نے صدر حکومت (REGIERUNGS PRÄSIDENT) جناب ڈاکٹر منسنگر (MUNZINGER) اور لارڈ میئر سُنڈل (OBERBÜRGERMEISTER ZÜNDEL) کے اشتراک سے دریائے نیکر کے جنوبی کنارے پر وفاقی شاہراہ نمبر ۳۷ کے ۱ء ۱ کیلومیٹر لمبے اس ٹکڑے کو' جو KARL - METZ - STRASSE اور THIBAUT - STRASSE کے درمیان واقع ہے اور اس سے ایک روز پہلے مکمل ہوا تھا' سرکاری رسم نام گزارانی (CEREMONY OF BAPTISM)' یا غسلِ تعمید' سرانجام دی اور اس کو پاکستان

کے شاعرِ ملّت ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے معنون کیا' جو ایک زمانے میں ہائیڈل برگ میں طالب علم رہ چکے تھے۔

اس کے بعد اس رسم تسمیہ یا نام دہی کی کافی تفصیلات درج کی گئی ہیں اور ان کے نیچے ایک بڑی تصویر شائع کی گئی ہے ۔ اس تصویر میں ایک کھمبے پر IQBAL-UFER --- IQBAL - UFER کی تختی نصب نظر آتی۔ اس کے گرد پھولوں کے ہار اور اس کے نیچے پاکستان کا بہت بڑے سائز کا پرچم لہرا رہا ہے۔ تصویر میں صدر حکومت ڈاکٹر مُنسگر' سفیرپاکستان جناب عبد الرحمٰن خان' رئیس اعظم بلدیہ جناب سُنڈل اور نائب سفیرجناب عطاء الرحمٰن اور ان کی بیگم صاحبہ مع چند اصحاب کے دکھائے گئے ہیں۔

۱۰۔ رائین نیکر اخبار (RHEIN - NECKAR - ZEITUNG) بابت ہفتہ ۲۰مر دسمبر ۱۹۹۹ء کا ایک تراشہ سو ئسلر صاحب کی فائل میں محفوظ ہے جہاں ایک سہ کالمی تصویر کے اوپر یہ عنوان دیا گیا ہے۔

"سنگ یادگار اقبال کا جشن نقاب کشائی"

تصویر کے نیچے یہ عبارت درج ہے : بروز جمعہ (۱۹مر دسمبر ۱۹۹۹ء) بعد از ظہر' دریائے نیکر کے کنارے کے سامنے کی زمین پر پاکستان کے شاعر پروفیسرڈاکٹر محمد اقبال کی شان میں (جن کے نام پر امسال ماہ فروری میں یہ کنارا موسوم کیا گیا تھا) ایک یادگاری پتھر کی نقاب کشائی کی گئی۔ اس کتبے (میموریل) پر اقبال کی ان تین نظموں (کون سی؟) میں سے ایک تحریر کی گئی ہے جو انھوں نے ۱۹۰۷ء میں ہائیڈل برگ میں لکھی تھیں۔ وہ مہمان جنھوں نے اس مختصر جشن میں حصہ لیا ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں : (تصویر میں دائیں سے بائیں) شمالی بادستان کے صدر حکومت (NORDBADISCHE REGIERUNGS PRÄSIDENT) ڈاکٹر ورنر منسگر (DR WERNER MUNZINGER)' بون میں جرمن پاکستانی فورم کے

صدر اور سابقہ سفیر المانیہ در پاکستان ڈاکٹر فون ٹرچلر (DR VON TRUTSCHLER) سفیر پاکستان در المانیہ جناب عبد الرحمٰن خان' اور رئیس بلدیہ ڈاکٹر گرکن (DR GERKEN)۔ اپنی مختصر تقاریر میں ان اصحاب نے اس اہم شاعر' فلسفی اور خالق مملکت پاکستان کی یاد تازہ کی اور جرمنی اور پاکستان کے درمیان ان انسانی اور ثقافتی رشتوں کی یاد دلائی جو بالخصوص اقبال کی شخصیت کی بدولت آج بھی قائم ہیں۔

ڈاکٹر مُنسگر' ڈاکٹر ٹرچلر' جناب عبد الرحمٰن اور ڈاکٹر گرکن ایک بہت بڑے سنگی تختے کے ارد گرد اور اس کے پس پشت کھڑے ہیں' اور اول الذکر تینوں اصحاب کے ہاتھ پتھر کے بالائی کنارے پر رکھے ہوئے ہیں۔ پتھر کا سائز تقریباً" ۳ ۲/۳ فٹ x ۴ ۱/۲ فٹ نظر آتا ہے' اور یہ زمین میں نصب ہے۔ اس کے اوپر کی سطح ان اشخاص کی کمر کے لگ بھگ پہنچتی ہے اور اس پر ایک بڑے عنوان "نیکر کو سلام" (GRÜSS AN DEN NECKAR) کے نیچے جلی حروف میں علامہ کی نظم ایک شام (دریائے نیکر' ہائیڈل برگ کے کنارے پر) کا وہ جرمن ترجمہ درج ہے جو ۱۹۲۶ء اور پھر ۱۹۶۶ء (بدھ ۲۹ جون) کے "روزنامہ ہائیڈل برگ" (HEIDELBERGER TAGEBLATT) میں شائع ہو چکا ہے اور جس کا اس سے پہلے اوپر ذکر آ چکا ہے۔ یہ ۱۲ لائنوں پر مشتمل ہے اور اس کے نیچے شاعر کا نام (محمد اقبال) تحریر ہے (اور شاید عرصۂ حیات یا نظم کی تاریخ بھی' جو تصویر میں صاف نہیں پڑھی جا سکتی)

قارئین کی دلچسپی کے لئے یہ ترجمہ نیچے درج کیا جاتا ہے:

GRÜSS AN DEN NECKAR

STILL IST BERG UND DER FLUSS UND DAS TAL

ES SCHEINT DIE NATUR IN SINNEN VERSUNKEN

DIE GEFIEDERTEN SÄNGER VERSTŨMMEN ZUMAL
UND DER WALD AM HŨGULRUHT SCHLUMMERTRUNKEN
DIE KARAWANE DER STERNE ZIEHT
OHNE GLÖCKCHENKLINGEN AUF HIMMLISCHEN WEGEN
STILL LEUCHTET DER MOND, DIE BEWEGUNG IST MÜD,
IM SCHOSSE DER NACHT WILL SIE SCHLAFEN SICH LEGEN
SO STARK IST DER STILLE ZAUBERMACHT
DASS DER NECKAR RUHT, NICHT WEITERFLIESSEND
NUN WERDE AUCH DU STILL, MEIN HERZ, IN DER NACHT
UND SCHLAFE, DAS LIED IN DICH VERSCHLIESSEND.

(یہ علامہ اقبال کی فطری نظموں میں سے ایک بے حد حسین و جمیل اور نغمہ آگین نظم ہے اور اپنے انداز اور محاکات میں گوئٹے کی نظموں کی یاد دلاتی ہے)

یہ پتھر دریائے نیکر کے کنارے ایک پارک میں ایستادہ ہے اور ہائیڈل برگ کے رومانوی شہر کے ساتھ اقبال کے تعلق کی یاد تازہ کرتا ہے۔

یوں تو جناب سوئسلر کی "اقبال فائل" میں اور بھی بہت سے کاغذات ہیں اور ۱۹۲۶ء سے ۱۹۸۲ء تک کے واقعات اور مختلف تقریبات کے اخباری تراشے اور تصویریں اس میں محفوظ ہیں' لیکن میرے خیال میں مندرجہ بالا تفصیلات موجودہ مضمون کے لیے کافی ہیں۔

ان سطور کے ساتھ میری اس ملاقات کی روداد ختم ہوتی ہے جو میں نے جناب ہنس ہلموتھ سوئسلر ــــ HANS - HELLMUTH ZWISSLER صاحب کے ساتھ اتوار ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۴ء کی صبح کو اپنی میری بہن شہناز درانی اور ان کے شوہر کی معیت میں کی تھی۔ اگرچہ سوئسلر صاحب نے شروع میں ہمیں صرف چند

منٹ دینے کا وعدہ کیا تھا تاہم یہ ملاقات تقریباً" ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی' اور اس میں نہ صرف انہوں نے اپنے مکان کے ساتھ اقبال کے تعلقات پر روشنی ڈالی' بلکہ اپنی وہ اہم اور بے حد کار آمد فائل مجھے مستعار دی جس میں سے اوپر کے اقتباسات اخذ کیے گئے ہیں۔ انہیں خدا حافظ کہنے سے پہلے میں نے ان کے ساتھ ان کے اطاق نشست اور دارالمطالعہ کی کچھ تصویریں اتاریں ۔ پھر از راہ تلطف سوئسلر صاحب نے ہمیں اپنے مکان کی دو منزلوں کے مختلف کمرے دکھائے' بلکہ گھر کے اندر آنے کا بڑا خوبصورت چوبی دروازہ اور اس کے بعد مستزاد مکان (جو اقبال کے زمانے میں دارالطعام ہوا کرتا تھا) دکھایا' اور میں نے ان سب چیزوں کی تصویریں کھینچیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مکان کا بے حد دلکش پائیں باغ بھی دکھایا جو بو قلموں جھاڑیوں' درختوں اور پھولوں سے عجب بہار دکھلا رہا تھا۔

ہمیں سوئسلر صاحب سے رخصت ہونے کے بعد ہائیل برون جانا تھا جہاں محترمہ ایلسا ویگے ناسٹ ہمارا انتظار کر رہی تھیں' بلکہ ہم اپنے وقت موعودہ سے تقریباً" ڈیڑھ دو گھنٹے لیٹ ہو چکے تھے۔ چنانچہ میں نے جناب سوئسلر صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس قدر فراخ دلی کے ساتھ ہمیں اپنا وقت عطا کیا تھا اور ان سے رخصت چاہی۔ وہ خود بھی ہائیڈل برگ کے میلے میں جانا چاہ رہے تھے جہاں ان کے صاحب زادے اس کے نظم و نسق میں حصہ لے رہے تھے۔

چنانچہ یوں ایک یادگار ملاقات اختتام کو پہنچی۔ سوئسلر صاحب تیز قدم اٹھاتے ہوئے دریائے نیکر کے کنارے کنارے پیدل روانہ ہو گئے اور ہم تینوں کار میں سوار ہو کر ہائیل برون کی جانب پا بہ رکاب ہوئے۔

حواشی

۱۔ ہو سکتا ہے اقبال نے ایما کی یہ تصویریں اور اس کی طرف سے موصول ہونے والے تمام خطوط آگ کے اس الاؤ کی نذر کر دیے ہوں جو انہوں نے اپنی وفات سے چند روز پہلے روشن کیا تھا' جب کہ منشی طاہرالدین کی مدد سے انہوں نے اپنے بے شمار "غیر ضروری کاغذات" نذر آتش کر دیے تھے۔ اور صرف اہم یا کار آمد کاغذات کو محفوظ کر لیا تھا۔ میں نے اس واقعے کا تذکرہ علامہ کی کسی سرگذشت میں پڑھا ہے (درانی)

۲۔ برمنگھم واپسی پر میں نے ۷ ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو مسز ایڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ FRAU EDITH SCHMIDT-WEGENAST کو اپنی بیوی کی مدد سے' جو المانوی نژاد ہیں' بڑی شستہ اور مہذب جرمن زبان میں ایک خط تحریر کیا' جس میں میں نے انہیں پروفیسر ہیلا کرش ہوف کی ٹیلی فون پر گفتگو کی یاد دلائی اور کہا کہ مشہور شاعر و فلسفی ڈاکٹر سر محمد اقبال ۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء ملقب بہ شاعرِ مشرق کی زندگی کے بارے میں میری ایک کتاب "اقبال یورپ میں" عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ اس میں ایک دو مضمون اقبال اور ایما ویگے ناسٹ کے بارے میں بھی ہیں' اس لیے اگر وہ مجھے مس ایما ویگے ناسٹ کی کچھ تصویریں جو ان کے پاس ہوں' کاپی کروا کے بھیج سکیں تو میں ان کا حد درجہ ممنون ہوں گا اور ان کی اس عطا کی مکمل ACKNOWLEDGEMENT کتاب میں شائع کروں گا۔ اس کے چند ہی روز بعد مجھے بیگم شمٹ ویگے ناسٹ کا خط مورخہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۸۴ء وصول ہوا جس میں ایما کی دو تصاویر تھیں۔ ان میں سے ایک ان کے عنفوان شباب کی تصویر تھی اور دوسری ان کے بڑھاپے کی' جو ایک بالکل نئی چیز تھی۔ یہ دونوں تصاویر پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی اور میں نے مسز شمٹ ویگے ناسٹ کو فوراً" دلی شکریے کا خط لکھ دیا (درانی)

۳۔ یہ نوبیا ہے میاں بیوی (جو پہلے پہل ایک دوسرے سے پیکنگ میں ملے' جہاں یہ دونوں اعلیٰ تعلیم کے لئے مقیم تھے۔ کارل ہائنز مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں) بون یونیورسٹی میں پی ایچ۔ ڈی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے' لیکن ان دنوں ڈارم شٹاٹ میں کارل ہائنز کی والدہ کے یہاں چھٹیوں کے لئے آئے ہوئے تھے۔ یہ شہر ہائیڈل برگ سے پچاس کلومیٹر پر واقع ہے۔

۴۔ کارل ہائنز کی پیشین گوئی کوئی دو سال بعد درست ثابت ہوئی' کیونکہ میں اوائل ۱۹۸۷ء میں واقعی اس اکادمی کا صدر منتخب ہو گیا (درانی)

۵۔ اگرچہ ان سے ہجوں میں تسامح ہوا ہے یعنی SCHERRER کو ایک (R) کے ساتھ لکھا ہے۔ دیکھئے میرا مضمون مطبوعہ "افکار" بابت مئی ۱۹۸۳ء خطوط نمبر ۳ و ۲۱۔

۶۔ یہاں پروفیسر شیرر کے نام کے ہجے قابل غور ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا' اقبال غلطی سے اس نام کو SCHERER (یعنی ایک R کے ساتھ) لکھتے ہیں۔

۷۔ شاید ان کی مراد پنڈت نہرو کی ہمشیرہ مسز وجے لکشمی پنڈت سے ہے؟

۸۔ ماسوا اس مدت کے جب وہ اپنی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے سلسلے میں میونک گئے ہوئے تھے۔

۹۔ دراصل اس وقت اقبال کی عمر تیس' اکتیس برس کی تھی اور مس ویگے ناسٹ ان سے قریب دو تین سال چھوٹی تھیں۔ (درانی)

۱۰۔ دیکھئے اقبال کے خطوط بنام مس ویگے ناسٹ مورخہ ۳۰ر جولائی ۱۹۱۳ء:

"مجھے وہ وقت بخوبی یاد ہے جب میں نے گوئٹے کی شاعری آپ کے ساتھ پڑھی۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی وہ ایام خوش یاد ہوں گے جب ہم روحانی طور سے ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے"۔ اور مورخہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۱ء: "میں ہائیڈل برگ کے وہ ایام کبھی فراموش نہ کر سکوں گا جب آپ نے مجھے گوئٹے کا "فاؤسٹ" پڑھایا اور دیگر کئی طرح سے میری مدد کی تھی۔ وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے

..... مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے جس کے کنارے ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے .....“

۱۔ یہ آخری فقرے کافی مبالغہ آمیز نظر آتے ہیں (درانی)

۲۔ دراصل مس ایما ویگے ناسٹ نے ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ یہ خطوط اسی غرض سے پاکستان جرمن فورم کے صدر جناب ممتاز حسن مرحوم اور معتمد جناب امان اللہ ہوبوہم کے حوالے کر دیے تھے۔ لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر آج تک یہ اہم خطوط کسی پاکستانی محافظ خانے (ARCHIVES)تک نہیں پہنچائے گئے۔ دیکھیے میری کتاب ”اقبال یورپ میں“ (درانی)

۲

ہائیل برون

ہائیل برون

گذشتہ صفحات میں آپ میرا مفصل مضمون ملاحظہ کر چکے ہیں جو ستمبر ۱۹۸۴ء میں میرے دورہ ہائیڈل برگ کا احاطہ کرتا ہے' اور جس میں علامہ اقبال کی قدیمی اقامت گاہ (دوران تابستان ۱۹۰۷ء) کے مفصل حالات اور ہائیڈل برگ کے ساتھ علامہ کے تعلقات بیان کیے گئے ہیں۔

موجودہ حصہ ستمبر ۱۹۸۴ء کے آخری ایام میں میرے دورۂ ہائیل برون پر محیط ہے' جہاں مس ایما ویگے ناسٹ کی آخری آرام گاہ واقع ہے اور جو ان کا آبائی قصبہ تھا۔ یہ حصہ میں نے دراصل آج سے ایک سال قبل یعنی اگست ۱۹۸۷ء میں جنوبی ہسپانیہ کے ایک گاؤں BELLA ORCHETA میں تحریر کیا تھا جہاں ہم تین ہفتے کے لیے گرمیوں کی چھٹیاں منانے کے لیے مقیم تھے' لیکن ہمارے ورود ہسپانیہ کا روز اول ایک طالع نحس کا مثیل ثابت ہوا۔ وہ یوں کہ جونہی میری بیوی اور میں یکم اگست ۱۹۸۷ء کی شام کو ALICANTE (ایلقانتے) کے ہوائی اڈے پر اترے اور اپنا سامان ٹرالی (TROLLEY) میں سے اس کار کے بوٹ میں لادنا شروع کیا جو ہم نے تین ہفتے کے لیے کرائے پر لی تھی ' تو معاً" چند نوجوان متحرک اٹھائی گیرے (MOBILE THIEVES) ایک کار میں وہاں وارد ہوئے۔ ایک نوجوان لڑکی کار میں سے اچھل کر اتری۔ میرا بریف کیس ٹرالی میں سے دبوچا' متحرک کار میں واپس داخل

ہوئی اور کار یہ جا وہ جا ہو گئی۔ شام کے دھندلکے میں میں کار کا نمبر بھی ٹھیک سے نوٹ نہ کرسکا۔ میں چند قدم کار کے پیچھے دوڑا اور اس کے بوٹ پر دستک بھی دی' لیکن اٹھائی گیرے چشم زدن میں ہوا ہو گئے۔

اس بیگ میں وہ کیا خزانہ تھا' جو ان چوروں کے ہاتھ لگا اور جس کا ضیاع میرے لیے سوہانِ روح ثابت ہوا؟ تو سُنیئے' سب سے پہلے تو اس میں پچاس' اکیاون صفحے کا وہ مسودہ تھا جو اس مضمون کا حصہ اول ہے۔ پھر میونک' ہائیڈل برگ اور ہائیل برون کے دورے اور مختلف اشخاص کے ساتھ ملاقاتوں اور INTERVIEWS کے بارے میں چوبیس صفحے کے نوٹ اور یادداشتیں اور نقشے تھے جو میں نے ستمبر' اکتوبر ۱۹۸۴ء میں بر مقام (IN SITU) ' اور گھر واپس پہنچتے ہی 'تحریر و تیار کیے تھے۔ ایک اور اہم اور نایاب چیز ویگے ناسٹ خاندان کا شجرۂ نسب تھا جو مجھے مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے ۳۰ ر ستمبر ۱۹۸۴ء کو عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ پروفیسر کرش ہوف کے (جو مس ایما ویگے ناسٹ کے چچا زاد بھائی کی بیٹی ہیں) اور مسز ایڈتھ شمث ۔ ویگے ناسٹ کے (جو ایما کی برادر زادی ہیں) میرے نام خطوط' پروفیسر کرش ہوف کے بھیجے ہوئے ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے یونیورسٹی کیلنڈر بابت ۱۹۰۷ء کے صفحات متعلقہ بہ پروفیسر شیرر' پھر جناب ہنس ہیلمٹ سوسلر (اقبال کے قدیمی مکان واقع ہائیڈل برگ کے موجودہ مالک) کی اقبال فائل کے بعض بے حد اہم حصوں کی فوٹو کاپیاں' جناب ڈاکٹر بوزاش (سابق ڈائرکٹر میونک یونیورسٹی لائبریری) کے ساتھ انٹرویو کی تفصیلات اور ان کی مہیا کی ہوئی چند اہم دستاویزیں ' یہ سب مواد اور کئی ایک اور قیمتی کاغذات اس بریف کیس کے اندر بند تھے۔

دراصل اگست ۱۹۸۷ء میں جب میں اور میری بیوی ہسپانیہ تعطیلات کے لیے گئے' تو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اپنے ساتھ کوئی سائنسی کام کاج اور کاغذات لے کر نہ جاؤں گا' بلکہ صرف اقبالی مواد ساتھ رکھوں گا۔ تاکہ وہاں جم کر اس سلسلۂ

مضامین کو مکمل کروں گا۔ مزید برآں میرا ارادہ تھا کہ جولائی ۱۹۸۶ء میں میں نے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں جو دو اہم مخطوطے دریافت کیے تھے، ان پر بھی کام کرنے کی کوشش کروں گا (ان میں سے پہلا تو ایک بے نظیر نسخہ ہے یعنی پروفیسر نکلسن کے اسرار خودی کے مطبوعہ ترجمے پر علامہ اقبال کے ہاتھ کی کی ہوئی ہزار ہا تصحیحات اور شذرات و توضیحات*، اور دوسرا مخطوطہ پروفیسر آربری کا کیا ہوا "گلشن راز جدید" کا غیر مطبوعہ ترجمہ ہے۔ خوش قسمتی سے ان دونوں مخطوطوں کی فوٹو کاپیاں میرے بیگ میں نہ تھیں بلکہ میرے صندوق میں بند تھیں، اور یوں محفوظ رہیں۔ میرے بیگ میں جو دیگر چیزیں موجود تھیں اور چوری ہوئیں ان میں سے میرے لیے سب سے زیادہ باعث قلق ۱۹۸۴ء کے دورے کے دوران کی قریب چار درجن وہ تصویریں تھیں جو میں نے ہائیڈل برگ میں پروفیسر کرش ہوف کی معیت میں مس ایما ویگے ناسٹ کی سابقہ قیام گاہوں پر اور پھر ہائیل برون میں مس ایلما ویگے ناسٹ کے گھر پر اور بالخصوص اس قبرستان میں کھینچی تھیں جہاں ایما اور صوفی ویگے ناسٹ دفن ہیں۔ علاوہ ازیں میونک میں علامہ اقبال کی سابقہ قیام گاہ 41 SCHELLING STRASSE اور ان کی یونیورسٹی کی تصویریں اور جناب بوزاش کے مکان میں ان کی اور میری ایک ساتھ کی تصاویر یہ سب چیزیں ضائع ہو گئیں۔ ان تصویروں کے ساتھ ہی ان کے بہت سے NEGATIVES بھی تھے جو چوری ہو گئے (اگرچہ برمنگھم واپسی پر یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اس دورے کی تصاویر کے کئی ایک نیگیٹو گھر پر محفوظ تھے)۔ لیکن اپنے ذاتی کاغذات کے ضیاع کے علاوہ ایک گہرا دکھ جو مجھے ہوا وہ یہ تھا کہ اس بیگ میں کیمبرج یونیورسٹی لائبریری سے مستعار لی گئی تین کتابیں بھی بند تھیں جن میں سے اہم ترین اقبال کی "اسرار خودی" کے ترجمہ از پروفیسر نکلسن کے دوسرے ایڈیشن کا وہ نسخہ تھا جو جناب پروفیسر آربری کی ملکیت میں رہ چکا تھا اور جس کے حاشیوں پر آربری صاحب کے کئی ایک نوٹ اور نشانات و

☆ یہ کتاب ("اسرارِ خودی") مع توضیح و تنقیح و تجزیہ میں نے بالآخر فروری ۲۰۰۱ء میں کراچی یونی ورسٹی پریس سے شائع کر دی ہے (دُرّانی۔ ۲۰ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)

☆☆ یہ مسودہ (آربری) بوقتِ تحریر، طباعت کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ (ایضاً)

استفساری علامات ثبت تھیں۔ (کتاب کی جلد کے اندرونی صفحے پر ایک چٹ چسپاں تھی کہ یہ کتاب پروفیسر اے ۔ جے ۔ آربری کے کتب خانے کا حصہ تھی جو ان کی وفات (۱۹۶۹ء) کے بعد کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کو عطا کیا گیا تھا)۔

ہیہات ' کہ اب یہ نادرۂ روزگار کتاب اور باقی سب تصویریں ' اور میرے تین سال کے دوران جمع کیے ہوئے وہ سب کاغذات اور یادداشتیں الیقانتے کے کسی کوڑے کباڑ کے ڈھیر کے نیچے دفن ہوں گی ' جہاں ان بے رحم ڈاکوؤں نے اس تمام مواد کو بے قیمت سمجھ کر پھینک دیا ہوگا۔ یہ ایک الگ کہانی ہے کہ میں نے کس طرح اس بیگ کی بازیابی کے لیے اپنی سی پوری کوشش کی ' اور نہ صرف الیقانتے اور ایلچے (ELCHE) کے پولیس اسٹیشنوں میں اس چوری کی رپورٹیں داخل کیں ' بلکہ الیقانتے کے ہسپانوی زبان کے اخبار "اطلاعات" (INFORMACIÓNE) میں میرا ایک سہ کالمی انٹرویو بھی شائع ہوا جس میں تحریر کیا گیا کہ "خالق نظریہ پاکستان ' سر محمد اقبال پر ایک برطانوی "ماہر تاریخ" (PROFESSOR OF HISTORY) کی سالہا سال کی جمع کی ہوئی تحقیقات و معلومات الیقانتے کے ہوائی اڈے پر اٹھائی گیروں کی نذر ہو گئی ہیں ' جب کہ پروفیسر درانی کے ہسپانیہ کے قیام کا واحد مقصد ان تحقیقات پر مبنی ایک کتاب کا تحریر کرنا تھا۔" اس کے ساتھ میں نے بیگ اور اس کے مشمولات کی وضاحت پر مشتمل ایک اشتہار بھی شائع کیا (جس پر میرے پندرہ سو روپے خرچ ہوئے) اور اس بیگ کا کھوج لگانے والے کو قریب چار ہزار روپے انعام دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اس کے چند روز بعد ایک مقامی انگریزی اخبار (POST) میں بھی میری تصویر اور اشتہار کے ساتھ اس ڈاکے کی ایک مفصل رپورٹ شائع ہوئی۔ پھر پولیس والوں نے اور میں نے ہوائی اڈے کے گرد و نواح میں کافی چھان بین بھی کی ' لیکن ان کاغذات کا قطعاً کوئی سراغ نہ ملا۔

اس کے بعد میں سوائے اس کے کہ "انا للہ و انا الیہ راجعون" کہہ کر اپنے

سینے پر صبر کا بھاری پتھر رکھ لوں اور کیا کر سکتا تھا۔ لیکن بقول اقبال ، "کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد"۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جو مواد کھو گیا ہے' اسے دوبار حاصل کروں۔ چنانچہ اس چوری کے دو ماہ بعد جب اکتوبر ۱۹۸۷ء میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں میرا میونک جانا ہوا تو میں نے نہ صرف ڈاکٹر بوزاش سے دوبارہ ملاقات کی اور علامہ اقبال کی قیام گاہ کی تازہ تصاویر حاصل کیں' بلکہ مجھے ایک قطعی نعمت غیر مترقبہ وہاں حاصل ہوئی ۔۔۔۔۔ یعنی علامہ اقبال کے میونک یونیورسٹی سے ۱۹۰۷ء میں پی ایچ ڈی حاصل کرنے کی مکمل فائل ' جو وہاں کے ARCHIVES (حفاظت خانے) میں پچھلے اسّی سال سے زمانے کی آنکھوں سے اوجھل محفوظ پڑی تھی (اس کے بارے میں میرا ایک ابتدائی اور تعارفی (INTRODUCTORY) مضمون "نوائے وقت" لاہور کے یوم اقبال نمبر مورخہ ۲۱ ر اپریل ۱۹۸۸ء میں شائع ہو چکا ہے)۔ پھر پروفیسر کرش ہوف سے خط و کتابت کے ذریعے اور موجودہ یورپی دورے (اگست ۱۹۸۸ء) کے دوران بیگم ایڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ سے ڈسل ڈورف میں پچھلے ہفتے کئی نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اٹلی اور آسٹریا سے واپسی پر انشاء اللہ (یعنی اب سے دو ہفتے بعد) ہائیل برون میں مسز ایلما ویگے ناسٹ سے دوبارہ ملاقات ہوگی اور کچھ مزید تصاویر اور شجرۂ نسب کی کاپی وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا یعنی "ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں۔" شرط صرف ہمت کا نہ ہارنا ہے۔ ہاں' جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے' خوش قسمتی سے موجودہ مضمون کے حصہ اول کی ایک فوٹو کاپی میں مارچ ۱۹۸۷ء میں الجیریا جانے سے پیشتر برمنگھم یونیورسٹی میں چھوڑ آیا تھا' چنانچہ اسی کی بنا پر وہ حصہ یہاں شائع ہو رہا ہے۔ "اسرارِ خودی" کے نسخۂ آزبری کی ایک مکمل فوٹو کاپی بھی میں نے احتیاطاً" یونیورسٹی میں محفوظ کر رکھی تھی۔ کچھ تصاویر کے نیگیٹو اور "سونبلر فائل" اور "ویگے ناسٹ فائل" کے بالکل مکمل تو نہیں' لیکن نوے فی صد کے قریب تمام فوٹو اسٹیٹ بھی محفوظ تھے ورنہ سوائے' ع : "گیا ہے سانپ نکل' اب لکیر پیٹا کر"

کہنے کے' اور چارہ کار نہ ہوتا۔ میں خدائے تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ بہت سی چیزوں کا نعم البدل مل گیا' بلکہ جو کچھ کھویا اس سے کہیں زیادہ میں نے پایا کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

اس طویل تمہید کے بعد اب میں اس مضمون کے حصۂ دوم کے اس نسخے کی طرف لوٹتا ہوں جو میں نے آج سے ایک سال قبل بروز ۱۴ر اگست ۱۹۸۷ء جنوبی ہسپانیہ کے قصبے BELLA ORCHETA (باغیچۂ حسین) میں شروع کیا تھا اور اس تعطیل گاہ سے واپسی سے دو روز قبل یعنی ۱۹ر اگست ۱۹۸۷ء کو ختم کیا تھا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں میں نے تفصیلاً" ذکر کیا ہے 'اتوار ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۴ء کے روز ہماری دو مصروفیات متعین تھیں۔ پہلی علامہ اقبال کے قدیمی مکان واقع ہائیڈل برگ میں موجودہ مالک مکان جناب سوئسلر کے ساتھ ملاقات' اور دوسری اقبال کی ۱۹۰۷ء میں جرمن زبان کی اتالیقہ مس ایما ویگے ناسٹ (MISS EMMA WEGENAST) کے آبائی قصبے ہائیل برون (HEILBRONN) کی زیارت اور وہاں ایما کے قرابت داروں کے ساتھ ملاقات' بالخصوص ایما کی آخری آرام گاہ اور ان کے آبائی مکان کا دیدار ا۔

جناب سوئسلر کے ساتھ ہماری ملاقات کا مفصل تذکرہ ہو چکا ہے۔ دراصل سوئسلر صاحب کے ساتھ ملاقات صرف آدھے گھنٹے کے لیے معین ہوئی تھی' لیکن یہ بات چیت اس قدر معلومات افزا ثابت ہوئی اور وہ ہمارے ساتھ اس قدر تلطف سے پیش آئے کہ جب ہم نے قریب دو گھنٹے بعد ان سے اجازت چاہی' اور ان کی بکمال عنایت عاریتاً" عطا کردہ "اقبال فائل" ساتھ لے کر ان کے گھر (یعنی بالفاظ اقبال "شیرر منزل") سے نکلے 'تو قریب سوا بارہ بج رہے تھے جب کہ مسز ایلسا ویگے ناسٹ کو ہم نے ملاقات کے لیے بارہ بجے کا وقت دے رکھا تھا اور ہائیل برون' ہائیڈل برگ سے قریب پچاس میل پر واقع تھا۔

چنانچہ سب سے پہلے تو ہم نے ہائیڈل برگ کے مرکزی علاقے میں ایک ٹیلی فون بوتھ سے مسز ایلسا ویگے ناسٹ کو فون کیا اور معذرت پیش کی کہ بدقسمتی سے ہمیں ہائیل برون پہنچنے میں ابھی کچھ دیر لگے گی۔ شاید ڈیڑھ بجے تک ہم وہاں پہنچ پائیں گے۔ انہوں نے کہا وہ چرچ سے واپس آچکی ہیں اور اگرچہ پچھلے پہر ایک عزیزہ کے یہاں انہیں چائے پر جانا ہے تاہم وہ ہماری آمد کا انتظار کریں گی۔

ہم نے شہر کے وسط میں واقع ایک اطالوی ریستوران میں کھانا کھایا' اور ایک جگہ سے رنگین فلم خریدی' اور قریب دو بجے ہم ہائیڈل برگ سے نکل کر شاہراہ AUTOBAHN پر گامزن ہوئے۔ کارل ہائنز نے کار بڑی تیز رفتار سے دوڑائی۔ رستے میں المانیہ کے خوش منظر درخت' پھول دار پودے' جنگلی جھاڑیاں' خود رو گل بوٹے برق رفتار سرعت کے ساتھ اڑتے چلے جا رہے تھے اور پونے تین بجے کے قریب ہم ہائیل برون کے مضافات میں داخل ہوگئے۔

مسز ایلسا ویگے ناسٹ کے ہاں

مسز ویگے ناسٹ نے ہمیں اپنا مکان ڈھونڈنے سے متعلق ہدایات دے رکھی تھیں' کہ ریل کی لائنوں کے اوپر سے گزر کر فلاں جگہ بائیں ہاتھ مڑ جاؤ وغیرہ۔ ہائیل برون ایک متوسط سائز کا خوب صورت پرانا قصبہ ہے۔ اس روز اتوار کی وجہ سے دکانیں اور دفتر بند تھے۔ شہر کے باشندے کم کم ہی نظر آ رہے تھے۔ بہرصورت ہم بھولتے' بھٹکتے کسی نہ کسی طرح BLÜCHER STRASSE تک پہنچ ہی گئے۔ یہ سڑک شہر کے کنارے پر کھلے کھیتوں کے سامنے واقع تھی۔ نمبر ۲۶ کے سامنے ایک باڑ لگی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا خوب صورت باغیچہ اور پھر مکان کی پورچ' جہاں ایک سفید بالوں والی بوڑھی خاتون ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں۔ انہوں

نے ہاتھ ہلا کر ہمارا استقبال کیا اور اندر آنے کی دعوت دی۔

ہم اندر داخل ہوئے تو سب سے پہلے اس قدر دیر سے پہنچنے کے لیے معافی چاہی۔ مسز ویگے ناسٹ نے کہا کہ ان کی ایک عزیزہ کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے اور انہیں پچھلے پہر وہاں جانے کے لیے جانا تھا (ہائیل برون ہی میں یا اس کے قرب و جوار میں)، لیکن اب وہ وہاں شام کو چلی جائیں گی۔ مکان کے سامنے اور عقب میں ایک بڑا ہی خوبصورت باغیچہ تھا جس میں رنگا رنگ پھول اور گل بوٹے بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ پرندے چہچہا رہے تھے اور باغ میں اکا دکا سفید کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کہ ان پر بیٹھ کر دھوپ تاپی جا سکے۔ ہم وہاں تھوڑی دیر کے لیے ان کی پورچ میں بیٹھے۔ انہوں نے اپنے خاندان کے چند افراد سے، جو اس وقت گھر پر تھے، تعارف کرایا۔ ایک ان کی بڑی خوب صورت فرانسیسی نژاد بہو تھیں، جن کا نام اینی فرانس (ANNIE - FRANCE) ویگے ناسٹ تھا۔ یہ ان کے چھوٹے بیٹے ڈیٹر (DIETER) کی بیوی تھیں، جو مشنری کی حیثیت سے جنوبی افریقہ میں آباد ہو گیا تھا، لیکن چند سال پیشتر اپنے چرچ کے حکم پر واپس جرمنی آکر بس گیا تھا۔ اینی فرانس کے دو پیارے بچے بھی وہاں تھے۔ قریب بارہ تیرہ سال کا بیٹا ڈیوڈ اور چار پانچ سال کی بیٹی سونیا۔ مسز ویگے ناسٹ نے بتایا کہ وہ پچھلے آٹھ برس میں تقریباً" ہر سال جنوبی افریقہ جایا کرتی تھیں اور وہاں کئی کئی ماہ ٹھہرا کرتی تھیں، اور ایک مرتبہ شاید دو سال تک وہاں رہ پڑی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ اسی وجہ سے میں انگریزی زبان آسانی کے ساتھ بول سکتی ہوں۔ ان کا بڑا بیٹا ہنس اپنے خاندان کے ساتھ اسی مکان کے پچھواڑے میں واقع دوسرے مکان میں رہتا ہے جس کا نمبر

BLÜCHER STRASSE 26 -1 ہے۔ ہنس ELECTRONICS کی ایک صنعتی فرم کے ساتھ وابستہ ہے، اور مختلف صنعتی نمائشوں میں حصہ لینے کے لیے کبھی فرینکفرٹ اور کبھی مشرقی المانیہ میں لائپزگ وغیرہ جاتا رہتا ہے۔ وہ آج صبح ہم سے

ملنے کا منتظر تھا، لیکن پھر اسے باہر جانا پڑ گیا۔ انہیں امید تھی کہ شاید ہماری واپسی سے پہلے وہ گھر لوٹ آئے گا اور ہم سے مل سکے گا۔

پھر مسز ایلما ویگے ناسٹ نے فرمایا کہ تمہارے آنے سے پہلے میری عزیزہ پروفیسر ہیلا کرش ہوف (HELLA KIRCHHOFF) نے دوبارہ ٹیلی فون کرکے مجھے تاکید کی تھی کہ میں ہر طرح سے تمہاری مدد کروں اور ہوسکے تو ایما ویگے ناسٹ کی کوئی تصویر تمہیں بہم پہنچاؤں۔ لیکن ہمارے پاس ایما کی کوئی تصویر موجود نہیں ہے، سوائے اس اخبار کی فوٹو کاپی کے جو ہمیں ایک پاکستانی پروفیسر نے اس سال کے اوائل میں دی تھی۔ سو اگر تم چاہو تو بخوشی یہ لے لو۔ لیکن میں نے دیکھا کہ یہ روزنامہ HEIDELBERGER TAGEBLATT بتاریخ ۲۹ر جون ۱۹۲۶ء کے اسی صفحے کی فوٹو کاپی ہے جس کا مفصل ذکر اس مضمون کے حصۂ اول میں آچکا ہے اور جس اخبار کا ایک اصل صفحہ اسی صبح جناب سوئسلر مجھے عطا کرچکے تھے (چونکہ ان کے پاس اس صفحے کی تین چار کاپیاں موجود تھیں جس پر علامہ کے ۱۹۰۷ء کے قیام ہائیڈل برگ کا حال مع ایما اور اقبال کی تصاویر کے درج تھا)۔ ظاہر ہے کہ مسز ویگے ناسٹ کو یہ فوٹو کاپی ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب نے بہم پہنچائی تھی، جنہوں نے "افکار" بابت مئی ۱۹۸۳ء میں ایما اور اقبال کی خط و کتابت کے بارے میں میرا مضمون پڑھ کر خود بھی اس مسئلے میں کچھ عملی دلچسپی دکھائی تھی۔ وہ ہائیڈل برگ میں اپنی اقبال فیلو شپ کا عرصہ ختم کرکے حال ہی میں پاکستان واپس جاچکے تھے۔ میں نے مسز ویگے ناسٹ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس اخبار کا یہ صفحہ مجھے اسی روز دستیاب ہوچکا ہے، چنانچہ مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے، وہ بخوشی اسے اپنے ہی پاس رکھ لیں۔

مسز ایلما ویگے ناسٹ کچھ عرصہ اپنے خاندان سے متعلق باتیں کرتی رہیں، جن کا میں بعد میں ذکر کروں گا۔ وہ کافی بے تکلف اور ہنس مکھ خاتون تھیں اور بات چیت کرنے کی شوقین۔ کہنے لگیں کہ میں پیدائشی ویگے ناسٹ نہیں ہوں اور ایما

ویگے ناسٹ سے (جن کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہوگیا تھا) میں کبھی نہیں ملی تھی' لیکن پروفیسر ہیلا ویگے ناسٹ ان کے بارے میں بہت سی معلومات رکھتی ہیں کہ وہ خود ولادۃ" ویگے ناسٹ تھیں۔ مجھے ایما سے متعلق جو بھی اطلاعات ہیں' وہ پروفیسر ہیلا ہی نے بہم پہنچائی تھیں۔ میں نے نوٹ کیا کہ ایلسا خاتون اپنے خاندان کا نام "ویگے ناشٹ" کے طور سے ادا (PRONOUNCE) کر رہی تھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ معاف کیجیے کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آیا اس نام کا تلفظ ویگے ناشٹ (یعنی حرف "ش" کے ساتھ) ہے یا ویگے ناسٹ ("س" کے ساتھ) کیونکہ جہاں تک میں بن پایا تھا' پروفیسر کرش ہوف اسے "س" کے ساتھ بول رہی تھیں۔ مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے کہا کہ "نہیں' اس نام کا صحیح تلفظ ویگے ناسٹ ہی ہے۔ در اصل ہم یہاں (SCHWABIA) کے علاقے کے رہنے والے اسے اپنے علاقائی لہجے (SCHWABIAN DIALECT) میں ویگے ناشٹ کے طور سے (یعنی "ش" کے ساتھ) پکارتے ہیں"۔ ۲۔

ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر

اس کے بعد میں نے بیگم ویگے ناسٹ سے عرض کیا کہ میرے ہائیل برون آنے کی ایک بڑی غرض (ان کے ساتھ ملاقات کے علاوہ) یہ تھی کہ ممکن ہو تو مس ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت کروں' اور میں نے اپنی اس آرزو کا ان سے ٹیلی فون پر ایک ہفتہ پہلے بھی ذکر کر رکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں' میں نے اس کا بندوبست کر رکھا ہے' اور ایک دو روز ہوئے مقامی قبرستان کے دفتر سے میں نے ایما کی قبر کا نمبر معلوم کر لیا ہے۔ اس پر وہ اندر گئیں اور ایک صندوقچی میں سے وہ پرزہ نکال کر لائیں جس پر یہ نمبر رقم تھا۔ یہاں اسے حوالے کے لیے درج کرتا ہوں

ABT.4, REIHE 9; GRAB 23 - 24 یعنی حصہ چہارم' قطار نوَ' قبور ۲۳ ۔ ۲۴ ۔
یہ کاغذ برآمد کرنے کے بعد ایلسا صاحبہ نے کہا' چلیے' میں تیار ہوں۔

چنانچہ ہم چاروں (یعنی بیگم ویگے ناسٹ' شہناز' کارل ہائنز اور میں) کارل ہائنز کی کار میں سوار ہو کر بیگم ویگے ناسٹ کی ہدایات کی تعمیل کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ یہ قبرستان ان کے گھر سے چار پانچ میل کے فاصلے پر شہر کے ایک اور گوشے میں آباد تھا۔ میں "آباد تھا" کے الفاظ اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ جرمنی کے قبرستان ہمارے یہاں کی بعض آبادیوں سے بڑھ کر حسین و جمیل اور پر رونق ہوتے ہیں۔ ان کے اندر سرو و صنوبر کے سی قامت درخت' رنگا رنگ جھاڑیاں اور گل بوٹے' اور سبزۂ بیگانہ کے بچھونے دور دور تک پھیلے ہوتے ہیں۔ اس گلستان کے اندر تمام قبریں روش در روش صف بستہ ہوتی ہیں اور بڑی PLANNING کے ساتھ متوازی قطاروں میں آراستہ نظر آتی ہیں' جن پر نمبر شمار لگے ہوتے ہیں تاکہ ان کی تلاش میں آسانی رہے۔ ہر روز اور بالخصوص اتوار کے دن بہت سے لوگ (خصوصاً خواتین) قبروں پر پھول چڑھاتے اور گھاس پھونس کی صفائی کرتے اور لحدوں پر آب افشانی کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض خاندانوں کی قبریں خاص گوشوں اور کنجوں میں یک جا ہوتی ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں بھی دستور ہے۔

مسز ویگے ناسٹ اپنے کاغذ کے نقشے کے مطابق ڈھونڈتی ڈھانڈتی چند منٹ بعد اس گوشے میں پہنچ ہی گئیں' جہاں ویگے ناسٹ خاندان کی قبریں واقع تھیں۔

سب سے پہلے ہم جس کنج لحد پر پہنچے وہاں زرد' قرمزی اور کاسنی رنگوں کے چھوٹے چھوٹے خوشنما پھولوں اور بیلوں میں گھرے ہوئے کتبے سے ظاہر تھا کہ یہاں اس خاندان کے چار افراد دفن ہیں۔ ایلسا خاتون نے مزار کے پاس بیٹھ کر بڑی محبت کے ساتھ جب یہ بیلیں اور گھنے دبیز پتے ہٹائے تو وہاں چار نام ایک ہی کتبے پر تحریر تھے۔ (اوپر سے نیچے کی طرف) : SOPHIE WEGENAST (۱)

(NEHER ۱۸۴۸ء تا ۱۹۰۰ء' اس کے نیچے ADOLF WEGENAST (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۳ء)' پھر FRITZ WEGENAST (۱۸۹۱ء تا ۱۹۴۱ء)۔ اور سب سے نیچے EMMA WEGENAST (۱۸۷۹ء تا ۱۹۶۴ء)۔ اول الذکر دو اشخاص ایما کی والدہ اور والد تھے' اور تیسرا شخص ایما کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ بقول مسز ایلما ویگے ناسٹ' اس مزار میں ایما کی بڑی بہن SOFIE WEGENAST بھی دفن تھیں' اگرچہ کتبے پر ان کا نام درج نہ تھا (پچھلے ہفتے بیگم شمٹ۔ ویگے ناسٹ نے بھی اس بات کی تصدیق کی)۔

ایما ویگے ناسٹ کی قبر کو دیکھ کر میرے دل پر عجیب تاثر پیدا ہوا۔ میں اس قبر کے سامنے آنکھیں بند کرکے تا دیر ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہا اور ان پرانے دنوں کی یادیں دل میں تازہ کرتا رہا جب ایما اور اقبال ایک ساتھ تھے اور ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے۔ اقبال نے اس تعلق خاطر کا اپنے خطوں میں بار بار ذکر کیا ہے۔ مثلاً" ان کی یہ سطور "لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا کروں۔ جو شخص آپ سے دوستی کرچکا ہو' اس کے لیے ممکن نہیں کہ آپ کے بغیر وہ جی سکے۔" (لندن ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء)۔ "آپ میری زندگی میں ایک حقیقی قوت بن چکی ہیں۔ میں آپ کو کبھی فراموش نہ کروں گا اور ہمیشہ آپ کے لطف و کرم کو یاد رکھوں گا" (خط نمبر۶ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۸ء' لندن)۔ "میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں اور میرا دل ہمیشہ بڑے خوب صورت خیالوں سے معمور رہتا ہے" (لندن ۱۴ر جنوری ۱۹۰۸ء)۔ "آپ کی تصویر میری میز پر رکھی ہے' اور ہمیشہ مجھے ان سہانے وقتوں کی یاد دلاتی ہے جو میں نے آپ کے ساتھ گزارے تھے" (لندن' ۲۶ر فروری ۱۹۰۸ء)۔ "میرے دل غمگیں میں آپ کے لیے بڑی خوب صورت سوچیں ہیں اور یہ خاموشی سے ایک کے بعد ایک آپ کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ یہ ہیں آپ کے لیے میری تمنائیں" (لندن' ۳ر جون ۱۹۰۸ء)۔ "اگرچہ کئی ملک اور سمندر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کریں گے'

پھر بھی ہمارے درمیان ایک غیر مرئی رشتہ قائم رہے گا۔ میرے خیالات ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ آپ کی طرف دوڑیں گے اور اس بندھن کو مضبوط بنائیں گے" (لندن، ۲۷ر جون ۱۹۰۸ء)۔ "میں اپنی ساری جرمن زبان بھول گیا ہوں، لیکن مجھے صرف ایک لفظ یاد ہے ..... ایما" (سیالکوٹ، ۳ر ستمبر ۱۹۰۸ء)۔ "ہائیڈل برگ میں میرا قیام مجھے ایک خوب صورت خواب سا لگتا ہے، اور میں اس خواب کو دہرانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے ؟ آپ بہتر جانتی ہیں" (لاہور ۱۱ر جنوری ۱۹۰۹ء)۔ "بعض اوقات میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہوں ..... براہ کرم مجھے اپنے دل اور اپنی یادوں میں ایک چھوٹی سی جگہ دیجئے گا" ... (لاہور - ۲۰ر جولائی ۱۹۰۹ء)۔ "اگر میں واقعی یورپ آیا تو یقیناً" اس دیار قدیم جرمنی کا بھی پھر سفر کروں گا اور آپ سے دوبارہ ہائیڈل برگ یا ہائیل برون میں ملاقات کو آؤں گا جہاں سے ہم دونوں ایک ساتھ اس عظیم فن کار گوئٹے، کے مزار مقدس کی زیارت کو جائیں گے" (لاہور، ۷ر جون ۱۹۱۴ء)۔ "میں ہائیڈل برگ کے وہ ایام کبھی فراموش نہ کرسکوں گا جب آپ نے مجھے گوئٹے کا "فاؤسٹ" پڑھایا ..... اور دیگر کئی طرح سے میری مدد کی تھی، وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے! .... میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا کہ ہائیڈل برگ آؤں اور آپ سے اسی پرانے مقام پر ملاقات کروں۔ مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے جس کے کنارے ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے ...... مجھے یہ کہنے کی بالکل ضرورت نہیں کہ میری یہ بڑی ہی آرزو ہے کہ میں پھر آپ سے ملوں اور اُن پُر مسرت دنوں کی یادیں تازہ کروں جو افسوس کہ اب ہمیشہ کے لیے گزر چکے ہیں" ... (لندن - ۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)۔ اور آخر میں "مجھے یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ ان تمام برسوں میں میں نے آپ کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ اور میرے دل میں ہمیشہ یہ تمنا زندہ رہی ہے کہ میں دوبارہ آپ سے ملوں گا، لیکن بخت تیرہ کو جو منظور ہوا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ! ان دنوں کی یاد جب ہم گوئٹے کا فاؤسٹ ایک ساتھ پڑھا کرتے

تھے' ہمیشہ ایک غم انگیز مسرت کے ساتھ میرے دل میں آتی رہتی ہے۔ آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو بتاؤں کہ ان تمام سالہا سال کے دوران میں کیا کرتا اور سوچتا رہا ہوں ۔ تو سنیئے! میں نے بہت کچھ لکھا ہے اور وہ تمام چیزیں جو میں نے بطور شاعری اور فلسفہ کے لکھی ہیں' وہ میں نے شائع کردی ہیں۔ تاہم میرے ذہن نے ہمیشہ ایک کمی سی محسوس کی ہے اور خود کو اپنے ان ہندی گرد و نواح میں تنہا سا پایا ہے۔ جوں جوں میری عمر بڑھ رہی ہے اس تنہائی کا احساس بھی فزوں تر ہوا جاتا ہے' لیکن سوائے تسلیم و رضا کے ہمارے لیے اور کوئی چارۂ کار نہیں' اور میں نے بھی پوری تسکین دل کے ساتھ اپنی قسمت کو قبول کرلیا ہے ..." (خط نمبر ۲۴۔ لندن ' ۱۷ر جنوری ۱۹۳۲ء)۔ تو یہ تھیں وہ پاکیزہ اور جذبات سے مملو یادیں اور سوچیں جو اقبال کے دل میں ایما کے لیے سالہا سال تک موجزن رہیں اور یقیناً" ایما کے دل میں بھی منعکس ہوتی رہی ہوں گی (کیوں کہ جیسا کہ اس سے ایک روز قبل ایما کی برادر زادی پروفیسر ہیلا کرش ہوف نے مجھے بتایا تھا ' ان کے خاندان میں یہ روایت تھی کہ ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ ایما ہندوستان جانے کی خواہش رکھتی تھی' لیکن اس کے بڑے بھائی کارل نے اسے اس سفر سے منع کردیا تھا)[۳]۔

جب میں ایما کی قبر کے سرہانے بیٹھا یہ سوچیں اپنے ذہن میں تازہ کر رہا تھا تو اس وقت مجھے واقعی یوں محسوس ہوا گویا اقبال خود اس گھڑی میرے اور ایما ویگے ناسٹ کے ساتھ اسی گوشہ خاک پر موجود ہیں [۴] اور خوش ہیں کہ سالہا سال کے بعد ان کا ایک قاصد اور ہم رازان کا پیام شوق لے کر وہاں آیا ہے ۔

صبا بہ گلشن ویمر سلام ما برساں
کہ چشم نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت
(اقبال)

فاتحہ خوانی کے بعد میں نے ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی چند ایک تصویریں

اتاریں' جن میں سے چند میں مسز ایلسا ویگے ناسٹ اپنے شوہر کی پھوپی ایما کی قبر کی تزئین کر رہی تھیں' اور ایک دو میں مَیں دعائے مغفرت کر رہا تھا یا ایما کی قبر پر پھول چڑھا رہا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس قبر کے چند پھول یادگار کے طور پر اپنی جیب میں رکھے اور ایما کو دل ہی دل میں سلام کہہ کر ان سے رخصت چاہی ' اس خواہش کے ساتھ کہ انشاء اللہ ایک روز پھر حاضر ہوں گا اور اس اثنا میں اقبال کے دلدادگان کو اس زیارت کے حالات سے آگاہ کروں گا۔

ایلسا ویگے ناسٹ نے کہا کہ چلیے اب آپ کو ویگے ناسٹ خاندان کی کچھ اور قبریں بھی دکھا دوں' جہاں میرے شوہر مرحوم کا مرقد بھی ہے۔ پھر وہ ہمیں ایما اور اس کے والدین کی قبروں سے کافی فاصلے پر اس قبرستان کے ایک اور گوشے میں لے گئیں۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک خاصا اثر آفرین (IMPRESSIVE) کنج لحد واقع ہے' جس میں ایک پر شوکت بڑا سنگ مزار ایستادہ ہے۔ اور اس گوشے کے گرداگرد تن آور پودے حلقہ کیے ہوئے ہیں' جن کے سرخ اور بادامی پھول نقرئی دھوپ میں لہلہا رہے ہیں۔ یہاں پروفیسر کرش ہوف کے والدین دفن تھے (ان کے والد ماجد کا نام OTTO WEGENAST تھا' اور وہ ۱۹۵۲ء میں فوت ہوئے تھے)۔ایک قبر پر ایلسا ویگے ناسٹ کے شوہر محترم (LUDWIG) کا نام کندہ تھا ' جن کا ۱۹۴۶ء میں انتقال ہوا تھا۔ ؎

ایلسا نے اپنے شوہر کی قبر پر پھولوں کو آراستہ کیا اور مرحوم کے بارے میں کچھ محبت آمیز الفاظ کہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بے چارے تو نوجوانی میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے چند ماہ بعد فرانس میں جنگی قیدی (PRISONER OF WAR) کے طور سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ ان کی عمر اس وقت پینتالیس سال تھی۔

یہاں بھی چند مزید تصویریں اتارنے کے بعد (جن میں سے ایک میں نے بعد ازاں پروفیسر کرش ہوف کو انگلستان سے شکریے کے ایک خط کے ساتھ بھیج دی۔

جس میں ان کے والدین کا کتبہ دکھائی دیتا تھا) ہم لوگ واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں ہم دوبارہ ایما ویگے ناسٹ کی قبر کے سامنے سے گزرے اور میں نے پھر ایک بار اس لحد کے دیدار سے آنکھیں روشن کیں۔ جب ہم قبرستان سے گزر رہے تھے تو مسز ایلسا ویگے ناسٹ نے فرمایا کہ ان قبروں کی نگہداشت اور UPKEEP یعنی انہیں برقرار رکھنے کے لیے ویگے ناسٹ خاندان کو بلدیۂ ہائیکل برون کو ہر دس سال (یا کسی ایسی ہی مدت) کے بعد ایک خاصی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کنایتاً" استفسار کیا کہ اب جب کہ علامہ اقبال کے توسط سے پاکستانی قوم اور ویگے ناسٹ خاندان کے درمیان ایک رشتہ استوار ہوگیا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ مثلاً" حکومتِ پاکستان ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی خبر گیری کے اخراجات کا ذمہ لے لے؟ میں نے کہا کہ میں اس بارے میں کوشش کروں گا۔ چنانچہ یہ سطور میں نے اسی نقطۂ نظر سے تحریر کی ہیں تاکہ مسز ایلسا ویگے ناسٹ کی یہ خواہش میں متعلقہ حکام کے علم میں لا سکوں۔ باقی، ع:

تو دانی حسابِ کم و بیش را

ہاں ایما ویگے ناسٹ کی لوحِ مزار پر ان کے والد ماجد کی تاریخ وفات یعنی ۱۹۱۳ء کو میں نے ذہنی طور سے بالخصوص نوٹ کیا۔ کیوں کہ علامہ اقبال کا خط نمبر ۱۸ بنام ایما ویگے ناسٹ (لاہور، ۳۰ ر جولائی ۱۹۱۳ء) ایما کے والد محترم کی وفات ہی سے متعلق ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "مجھے آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے انتہا صدمہ ہوا ہے، اور اگرچہ میرا خط اس افسوسناک سانحے کے بہت دنوں بعد آپ تک پہنچے گا تاہم اس اندوہناک نقصان میں آپ کے ساتھ مجھے جو ہمدردی ہے اس کی شدت کو نہ وقت کم کرسکتا ہے، نہ فاصلہ ..." چنانچہ ایما کے والد کا سنگ مزار علامہ اقبال کے اس مجموعۂ خطوط کی اصلیت (AUTHENTICITY) کی تصدیق کرتا ہے، اگر کسی تصدیق کی ضرورت ہو تو۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال کا ایما کے نام یہ وہ پہلا خط ہے جو (چھے سال کے عرصے میں) انہوں نے انگریزی زبان میں لکھا ہے۔

اس سے پیشتر کے تمام سترہ مکتوب جرمن زبان میں تحریر کیے گئے تھے۔ اور یہ خط علامہ نے انگریزی میں اس لیے لکھا کہ شدت جذبات کا اظہار کر سکیں ورنہ اس سے قبل کے تمام خطوط میں وہ بار بار یہ معذرت کر رہے تھے کہ "جب آدمی کوئی زبان نہیں لکھ سکتا تو اس کا قلم بہت دل شکستہ ہوتا ہے' اور ایسے انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے دلی جذبات کا پورا اظہار کر سکے۔" (خط نمبر ۲۶' مورخہ ۱۱ر مئی ۱۹۱۱ء از لاہور)۔ پھر ایک دفعہ جب ۱۹۱۳ء کے اس خط میں وہ انگریزی زبان میں اظہار جذبات کر چکے تو اس کے بعد کے تمام خطوط علامہ اقبال نے ایما کو انگریزی ہی میں لکھے ہیں۔

لوئزن شٹراسے میں ایما کا مکان

جب ہم قبرستان سے نکلے تو چار سوا چار بج رہے تھے اور میں کسی قدر عجلت میں تھا' کیونکہ اسی شام ساڑھے آٹھ بجے مجھے فرینکفرٹ کے ہوائی اڈے سے برمنگھم کے لیے جہاز پکڑنا تھا اور فرینکفرٹ ہائیل برون سے قریب نوے میل دور تھا۔ اس کے باوجود میں نے مسز ویگے ناسٹ سے عرض کیا کہ میری دوسری بڑی خواہش یہ تھی کہ ہائیل برون میں اس مکان کی بھی زیارت کروں جہاں ایک زمانے میں (یعنی ۱۹۰۷ء اور اس کے قریب) ایما ویگے ناسٹ سکونت پذیر تھیں۔ واضح رہے کہ اقبال نے اپنے خط نمبر ۲ (مورخہ میونک' ۲۳ر اکتوبر ۱۹۰۷ء) میں ایما کا پتا یوں لکھا ہے: LOUISEN STRASSE, HEILBRONN ۔ اور اپنے پوسٹ کارڈ مورخہ لندن' ۱۶ر نومبر ۱۹۰۷ء (یعنی خط نمبر ۴) کی پشت پر ان کا پتا یوں تحریر کیا ہے:

16,LOUISA STR. HEILBRONN - ایلسا خاتون نے کہا کہ بخوشی میں تمہیں LUISEN STRASSE لے چلتی ہوں' لیکن دوسری جنگ عظیم کے دوران اس علاقے میں کافی بمباری ہوئی اور شہر کے بہت سے مکان تباہ ہوگئے تھے۔ پھر انہوں نے

بتایا کہ ایما کے والد ایک کافی کھاتے پیتے شخص تھے اور کسی کاروبار میں معروف تھے (جس کی صحیح نوعیت میرے ذہن سے اتر گئی ہے ۵۔)۔ ان کے ہائیڈل برون شہر میں چار مکان تھے ۶۔ جن میں سے (غالباً") سب سے بڑا یہیں لوئزن اسٹراسے میں تھا۔ اور ایما اپنے والد کے ساتھ کئی سال تک اسی مکان میں مقیم رہی تھیں (یاد رہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر آیا ان کے والد کا انتقال پہلی جنگ عظیم سے کچھ عرصہ قبل ۱۹۱۳ء میں ہو گیا تھا اور شاید جنگ کے بعد ایما مستقل طور پر ہائیڈل برگ میں اٹھ آئی تھیں۔ اقبال اپنے خط نمبر ۱۹ر مورخہ ۷ر جون ۱۹۱۴ء از لاہور میں لکھتے ہیں کہ "ہو سکتا ہے کہ میں اگلے سال یورپ آؤں ... اگر میں واقعی یورپ آیا تو یقیناً" اس دیار قدیم جرمنی کا بھی سفر کروں گا اور آپ سے دوبارہ ہائیڈل برگ یا ہائیل برون میں ملاقات کو آؤں گا...." پھر اپنے خط نمبر ۲۱ مورخہ لندن ۱۵ر اکتوبر ۱۹۳۱ء میں وہ لکھتے ہیں کہ "یہ جناب METZROTH کی بڑی کرم فرمائی تھی کہ انہوں نے مجھے آپ کا حالیہ پتا بہم پہنچایا .... مجھے اطلاع دیجیے کہ کیا ابھی کچھ عرصہ آپ ہائیڈل برگ ہی میں قیام رکھیں گی ؟ " ایما ہائیڈل برگ میں پہلے 5 MOZARTSTRASSE میں' اور پھر 14 STEUBENSTRASSE میں سکونت پذیر* رہیں۔ علامہ اقبال کا خط نمبر ۲۵ مورخہ لندن ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۲ء اسی آخر الذکر پتے پر لکھا گیا۔ ۷۔

بہر حال' جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' مسز ایلما ویگے ناسٹ نے مجھے بتایا کہ کسی زمانے میں ایما کے والد نے اپنے باقی تینوں مکان فروخت کر دیے اور ان کا سارا خاندان اسی LUISEN STRASSE میں سکونت پذیر ہو گیا۔ (اور جیسا کہ ایما اور اس کے والدین کے سنگ مزار سے دیکھا جا سکتا ہے' ایما کی والدہ کا انتقال ۱۹۰۰ء میں ہو گیا تھا)۔ قبرستان سے چلنے کے دس پندرہ منٹ بعد ہم بذریعہ کار LUISEN STRASSE پہنچ گئے۔ میں نے نوٹ کیا کہ گلی کی پیشانی پر اس کے

☆ دراصل، ایما کا قیام اِس کے برعکس تھا۔ یعنی پہلے وہ .STEUBEN STR میں رہتی تھیں، اور آخر میں .MOZART STR میں۔ مزید براں، اول الذکر مکان کا صحیح نمبر ۱۲ تھا، نہ کہ ۱۴۔ (دُرانی۔ ۲۰ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)

ہجے یہی تھے' جیسے کہ میں نے درج کیے ہیں یعنی LUISEN STRASSE ' نہ کہ LOUISEN یا .LOUISA STR جو اقبال نے اپنے خطوط نمبر۲ اور ۴ میں بالترتیب تحریر کیے ہیں۔ (خط نمبر۲۵ میں بھی علامہ کو گلی کے نام کے ہجوں میں ذرا سا تسامح ہوا ہے' کیوں کہ انہوں نے اسے STEUBEN STRASSE کے بجائے ....
STAUBEN STRASSE لکھا ہے)

جب ہم لوئیزن اسٹرا سے پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ واقعی اس گلی کے تقریباً" سبھی مکان حالیہ ساخت کے ہیں۔ نمبر۲۹ کا الگ وجود باقی نہ تھا بلکہ یہ چند مکانات ایک دوسرے کے ساتھ ملحق تھے۔ ۲۹ نمبر کے مکان کے نیچے ایک گیراج تھا اور اوپر بالکنی (چھجے) میں ایک فربہ اندام حضرت بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ میں نے اس مکان کی چند تصویریں کھینچیں' جن میں سے ایک میں مکان کے دروازے کے سامنے میں نے ایلسا خاتون کو کھڑے ہوئے دکھایا اور ایک میں وہ اخبار بین حضرت نظر آ رہے تھے' اور غالباً" تعجب کر رہے تھے کہ اس مکان میں وہ کون سا سُرخاب کا پر لگا ہے کہ ایک بدیسی شخص اس کی تصویریں کھینچ رہا ہے۔ دراصل میں ذہن میں وہ تصور پیدا کر رہا تھا جب آج سے قریب اَسّی سال پیشتر یہاں ایک بڑا مکان رہا ہوگا جس میں ایما ویگے ناسٹ اور ان کا خاندان بود و باش رکھتا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس مکان سے چند گز کے فاصلے پر سڑک میں ایک MANHOLE COVER (اس سوراخ کا ڈھکنا جس کے ذریعے نیچے بدررو تک پہنچا جاسکتا ہے) نصب ہے' جس پر لکھا ہوا تھا HEILBRONN 1881 چنانچہ . بمصداق "گندم اگر بہم نہ رسد' بھس غنیمت است" میں نے سوچا کہ چلیے اس مدور ڈھکنے کی تصویر لے لی جائے کہ کم از کم ایما کی اس مکان میں سکونت کی کسی تو ہم عصر (CONTEMPORARY) شے کا عکس محفوظ ہوسکے۔ لیکن افسوس کہ جیسا کہ اس مضمون کے آغاز میں ذکر ہوا' یہ تصویر بھی اس روز کی کھینچی گئی اور بہت سی تصاویر کی ساتھ یہاں ہسپانیہ کے کسی گلی کوچے کی خاک

چاٹ رہی ہے۔

ویگے ناسٹ خاندان

لوئیزن اسٹراسے سے فارغ ہو کر ہم لوگ واپس ایلما ویگے ناسٹ کے گھر کی طرف چلے۔ کار کی اگلی سیٹوں پر کارل ہائنز اور شہناز بیٹھی تھیں اور پچھلی نشست پر میرے ساتھ ایلما خاتون تشریف فرما تھیں۔ راستے میں مجھے وہ اپنے خاندان کے بارے میں معلومات بہم پہنچا رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ مجھ پر خدا تعالیٰ نے تمام عمر بہت احسانات کیے ہیں۔ میرے شوہر مرحوم اللہ بخشے بڑی خوبیوں کے مالک تھے' لیکن وہ کچھ زیادہ مذہبی انسان نہیں تھے۔ میں نوجوانی ہی میں اس چرچ میں شامل ہو گئی تھی (یہ چرچ عیسائی مذہب کا ایک جدید فرقہ (یعنی DENOMINATION) ہے جس کا نام SEVENTH DAY ADVENTISTS ہے)۔ لیکن میرے شوہر نے میری رکنیت پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا اور میرے سارے بیٹے بیٹیاں بھی اسی چرچ کے زیرِ نگیں رہے ہیں ۔ ۸۔ (ایلما خاتون کے دو بیٹے یعنی ہنس اور ڈیٹر' اور دو بیٹیاں یعنی گریٹے (GRETHE) اور رُوتھ (RUTH) ہیں)۔ جب میرا چھوٹا بیٹا ڈیٹر جنوبی افریقہ (REPUBLIC OF SOUTH AFRICA) گیا تو وہاں بھی وہ چرچ کے معاملات میں بڑا مستعد اور مصروف رہا' اور جب بھی میں اس سے ملنے گئی تو میں وہاں چرچ کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ اور میرا اب بھی ہائیل برون میں یہی دستور ہے' مثلاً" آج بھی کہ اتوار ہے میں صبح دو تین گھنٹے گرجا میں عبادت اور اس کے بعد وہاں نمازیوں کے ساتھ بات چیت کرنے اور چرچ کی فلاحی سرگرمیوں میں حصہ لینے میں مصروفِ رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جنگِ عظیم کے دوران اگر خداوند تعالیٰ کا رحم و کرم مجھ پر سایہ فگن نہ رہتا تو میں کبھی ان تمام مصائب سے استقامت کے

ساتھ نبرد آزما نہ ہو سکتی جو ہمارے خاندان پر نازل ہوتے رہے' اور جب میرے شوہر مرحوم جنگ کے دوران میں گرفتار ہو کر فرانس میں نظر بند ہو گئے تو میرا مذہبی اعتقاد ہی میرے لیے وسیلۂ تحمل و برداشت ثابت ہوا۔ اور میں اپنے مغفور خاوند کو خطوں میں اللہ تعالٰی کے رحم و شفقت کا یقین دلاتی رہی۔ پھر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ جنگ کے خاتمے کے تقریباً" ایک سال بعد یعنی بروز ۶ر مئی ۱۹۴۶ء ایک جنگی قید خانے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ لیکن اللہ کی رضا پر راضی ہوئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ میرے شوہر قید کے دوران کافی بیمار رہتے تھے۔ بہر حال میں خوش ہوں کہ خدا نے مجھے ایسی اچھی اور کامیاب اولاد عطا کی ہے۔

میں نے مسز ویگے ناسٹ سے دریافت کیا کہ کیا ان کے پاس اپنے شوہر (اور ان کی پھوپیوں ایما اور صوفی) کے خاندان کے بارے میں کچھ مزید تفصیلات موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسے ایک حسن اتفاق ہی سمجھو کہ آج سے چند ہی سال پیشتر ویگے ناسٹ خاندان کی امریکی شاخ کے ایک فرد (یعنی ایما کے چھوٹے بھائی البرٹ ارنسٹ کے صاحب زادے البرٹ فرانس) شکاگو سے یہاں ہائیل برون وارد ہوئے تھے' اور بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد انہوں نے خاندانی شجرۂ نسب کو UP-TO-DATE کیا (یعنی زمانہ حال تک پہنچایا)۔ اس مکمل شجرے کی ایک نقل میرے بڑے بیٹے ہنس کے پاس ہے اور اگر وہ گھر واپس پہنچ چکا ہے تو میں کوشش کروں گی کہ اس کی ایک کاپی تمہارے لیے حاصل کرلوں۔ میں نے اس پر صمیمِ قلب سے اظہارِ امتنان کیا۔

جب ہم ایلسا خاتون کے دولت خانے پر پہنچے تو اگرچہ مجھے چلنے کی جلدی تھی' پھر بھی انہوں نے کہا کہ جانے سے پہلے چائے تو پی لو۔ چنانچہ انہوں نے جلدی سے چائے اور کچھ مٹھائی اور میوے ہمارے لیے تیار کیے اور اوپر کی منزل میں اپنے بیٹھنے کے کمرے میں ہمارے لیے خوانِ مہمان نوازی آراستہ کیا۔ ان کا سارا خاندان

جمع تھا' یعنی ان کی خوب رُو بہو اینی ۔ فرانس اور اس کے دونو بچے' وہ خود اور ان کی بڑی بیٹی گر یٹے' جو کام سے واپس آ چکی تھی۔ یہ موخر الذکر خاتون قریب پچاس ایک برس کی کافی خوش شکل عورت تھیں' سنہری بال اور سرخ و سپید چہرا' نیلی مگر کسی قدر غمگین آنکھیں۔ مسز ویگے ناسٹ نے بتایا کہ یہ ایک PHYSIOTHERAPIST ہیں اور مقامی ہسپتال میں کام کرتی ہیں۔ وہ غیر شادی شدہ تھیں اور شاید اسی لیے ان کے چہرے پر کسی قدر اضطراب یا بے اطمینانی کے آثار ہویدا تھے۔ بچے بڑے چلبلے اور ہنس مکھ تھے۔ دیوار پر ایلما کے شوہر کی ایک پرانی تصویر آویزاں تھی۔ جس کی تصویر بھی میں نے اتار لی۔ پھر ایلما خاتون نے پچھواڑے کے مکان سے استفسار کیا' لیکن معلوم ہوا کہ ہنس صاحب ابھی گھر واپس نہیں آئے تھے۔ تو وہ کہنے لگیں کہ فی الحال اس پرانے شجرۂ نسب کی ایک فوٹو کاپی تم لے لو' کیوں کہ میرے پاس اس کی ایک سے زیادہ نقل موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے XEROX کیے ہوئے دو صفحے دیے جو اصل شجرے کے (جو ظاہر ہے کہ ایک بڑے سائز کے کاغذ پر نقش تھا) مختلف حصوں پر مشتمل تھے۔ اس شجرے میں پرانی طرز کی جرمن لکھائی میں کسی شخص نے بڑی احتیاط کے ساتھ ویگے ناسٹ خاندان کی کئی نسلوں کے تمام افراد کی پیدائش' وفات' شادی کی تاریخ اور مقام' اولاد کے نام اور ان کے باہمی تعلقات کی پوری تفاصیل درج کی تھیں۔ یہ شجرہ ۱۹۴۴ء سے پیشتر تیار کیا گیا تھا کیوں کہ اس میں ایما ویگے ناسٹ کی وفات کی تاریخ درج نہ تھی (یاد رہے کہ ایما ویگے ناسٹ کا انتقال ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو ہوا تھا ۹۔) پھر میرے پوچھنے پر ایلما خاتون نے اپنے اس امریکی عزیز کا پتا بھی مجھے مہیا کیا' جس نے کچھ عرصہ پیشتر اس شجرۂ نسب کو زمانہ حال تک پہنچایا تھا۔ میں نے یہ پتا شجرے کی اسی فوٹو کاپی کی پشت پر درج کیا اور مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے بریف کیس میں جو مواد تین ہفتے ہوئے ضائع ہوا ہے اس میں یہی شجرۂ نسب اور اس کی پشت پر درج یہ امریکی پتا بھی شامل تھا۔ یہاں شاید یہ ذکر بے محل نہ

ہو گا کہ برمنگھم واپس پہنچ کر میں نے ایلما کے صاحب زادے ہنس ویگے ناسٹ کو ایک مفصل خط لکھا۔ علامہ اقبال کے ویگے ناسٹ خاندان کے ساتھ تعلقات کا ذکر کیا اور یہ لکھا کہ تمام شائقینِ اقبال بلکہ پاکستانی قوم کو ویگے ناسٹ خاندان کے اس مفصل اور UP-TO-DATE شجرۂ نسب کے ساتھ بڑی دلچسپی ہوگی۔ میں نے ان کی والدۂ ماجدہ کی شفقت اور ان کے اس وعدے کا ذکر بھی کیا کہ وہ (یعنی ہنس) مجھے اس مکمل شجرے کی نقل عطا فرمائیں گے۔ میں نے انہیں یہ یقین دہانی بھی کی کہ اس شجرے میں میری دلچسپی کاملاً" تاریخی اور ادبی نوعیت کی ہے تاکہ ویگے ناسٹ کے خانوادے اور اس کے آبا و اجداد کے حالات پر کچھ روشنی پڑے، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے نہ اس خط کا جواب دیا نہ وہ شجرہ ارسال کیا۔ پھر جولائی ۱۹۸۵ء میں پاکستان کے اندر اپنی کتاب "اقبال یورپ میں" کی رسم افتتاح (اور "طبیعیات اور زمانۂ حاضر کے تقاضے" نامی سہ ہفتگی کانفرنس بمقام نتھیاگلی) سے فارغ ہو کر جب میں اوائل اگست ۸۵ء میں جرمنی پہنچا جہاں میرے بیوی بچے چھٹیاں منا رہے تھے تو میں نے دوبارہ ہائیل برون میں ہنس ویگے ناسٹ صاحب کے یہاں فون کیا۔ ان کے بیٹے (UDO) نے جواب دیا کہ میرے والد تین ہفتے کی تعطیل پر گھر سے باہر ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ جب وہ واپس آئیں تو میرا پیغام انہیں دینا کہ میں اس موعودہ شجرۂ نسب کا تا حال منتظر ہوں۔ لیکن اس یاد دہانی کا بھی کوئی اثر ظہور پذیر نہ ہوا اور اب کہ وہ نامکمل شجرہ بھی غائب ہوگیا ہے جو ایلما خاتون نے مجھے مرحمت کیا تھا تو یہ امر پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہوگیا ہے کہ میں مسز ویگے ناسٹ سے ان کے امریکی عزیز کا پتا حاصل کر کے اسے امریکا سے منگواؤں ؎۔

شجرۂ نسب

یہاں صرف ایک دو باتوں کا ذکر کافی ہوگا۔ پہلی تو یہ کہ اس پرانے شجرے

میں ہجوں کا کچھ اختلاف موجود ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ بعض ناموں کے دو مختلف ہجے رائج ہوں۔ مثلاً" اس دستی رسم الخط میں ایلسا ویگے ناسٹ کا نام ELSE کے طور سے درج تھا میری بیوی نے' جو المانوی نژاد ہیں' ابھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ELSE (املسے یا ایلزے) ہی زیادہ رائج ہجے ہیں۔ اگرچہ ELSA (ایلزا) بھی ممکن ہے۔ جب کہ میرے دوست سنگھوی صاحب نے جب پہلے پہل ہائیڈل برگ میں اپنی انسٹی ٹیوٹ کی سکریٹری FRAU SCHÜTZE کی مدد سے ان کا نام حاصل کرکے مجھے مہیا کیا تھا تو اس نے ELSA تحریر کیا تھا۔ اور پھر اگست ۱۹۸۵ء میں جب میں نے بالخصوص ان کے پوتے UDO سے استفسار کیا کہ تمھاری دادی اپنے نام کو کیسے SPELL کرتی ہیں ELSE یا ELSA تو اس نے کہا کہ وہ اسے ELSA لکھتی ہیں۔ اسی طرح ایما کی بہن کا نام شجرے کی دستی تحریر میں SOFIE درج تھا' جب کہ ایما کی والدہ کے کتبے پر ان کا (یعنی والدہ کا) نام SOPHIE لکھا ہے۔ اس کے برعکس HEIDELBERGER TAGEBLATT بابت بدھ ۲۹ / جون ۱۹۲۹ء میں ان کا نام (یعنی اُن کی بہن کا نام) SOFIE کے طور سے درج ہے ۱۱۔

ایک دوسری بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ علامہ اقبال ایما کے نام اپنے خط نمبر۱۹ (مورخہ لاہور ' ۷ / جون ۱۹۱۴ء) میں تو لکھتے ہیں کہ "اگرچہ مجھے آپ کے بھائی اور بہنوں کے ساتھ ملاقات کا کبھی شرف حاصل نہ ہوا تھا پھر بھی بالضرور میرا سلام ان کو دیجئے گا"۔ لیکن پھر خط نمبر۲۰ (مورخہ لاہور' ۱۰/ اکتوبر ۱۹۱۹ء) میں' جو پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد لکھا گیا' وہ رقم طراز ہیں کہ "اس تمام عرصے میں میں آپ کی اور آپ کے عزیزوں اور بالخصوص آپ کے بھائیوں کی سلامتی کے متعلق بہت تشویش مند رہا ہوں۔ براہ کرم جلد از جلد مجھے اپنے اور اپنے بھائیوں کے' حالات کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔ جرمن قوم کو واقعی بہت بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔" یعنی پہلے خط میں بھائی صیغۂ واحد میں ہے' اور دوسرے خط میں صیغۂ جمع

میں، اور خط نمبر ۱۹ میں وہ لفظ "بہنوں" کا استعمال کرتے ہیں (واضح رہے کہ یہ دونو خط انگریزی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ اس لیے زبان کی کسی غلطی کا یہاں احتمال نہیں ہے)۔اب اس شجرۂ نسب سے جو ایلما ویگے ناسٹ نے مجھے عطا کیا تھا، پتا چلتا ہے کہ ایما کی صرف ایک بہن (صوفی) تھیں اور چار بھائی تھے۔ چنانچہ علامہ اقبال سے، کئی سال گزر جانے کے بعد، جو تضادِ بیان سرزد ہوا، اس کی اب تصحیح کی جاسکتی ہے۔

جب میں مندرجہ بالا سطور قلمبند کر رہا تھا تو مجھے اس بات پر اچنبھا ہوا ہے کہ اگرچہ علامہ اقبال خط نمبر ۱۹ (مورخہ ۱۹۱۴ء) میں لکھتے ہیں کہ انہیں ایما کی "بہنوں" کے ساتھ کبھی شرف ملاقات نہ ہوا تھا اور پھر خط نمبر ۲۴ (مورخہ لاہور، ۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء) میں رقم طراز ہیں کہ "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ اپنی بہن کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کی تصویر دیکھی تھی جو آپ نے مجھے دکھائی تھی۔ براہِ کرم انہیں اور اپنے ان دوسرے عزیزوں کو میرا سلام دیجئے، جن سے میں ضرور جرمنی میں ملا ہوں گا، مجھے امید ہے کہ میں دوبارہ یورپ آؤں گا، اور اگر میں آیا تو میں بالالتزام آپ سے اور آپ کی ہمشیرہ سے ہائیڈل برگ ملنے آؤں گا" ۲۸۔ لیکن علامہ کے ان سب بیانات کے باوجود "روزنامہ ہائیڈل برگ" کی مذکورہ بالا اشاعت (۲۹ جون ۱۹۲۶ء) میں ان کے قدیمی مکان پر لوح انتساب کی تنصیب کے بارے میں جو مفصل مضمون شائع ہوا ہے اس میں تحریر ہے کہ یہ ایما کی بڑی بہن صوفی تھیں جنہوں نے حال ہی میں وہاں سے گزرتے ہوئے اس مکان کی طرف اشارہ کیا کہ یہی وہ مکان ہے جہاں ایما اور محمد اقبال اس زمانۂ قدیم میں مکین تھے۔ تو قابل غور بات یہ ہے کہ اگر اقبال کو دورانِ قیامِ ہائیڈل برگ (جولائی تا اکتوبر ۱۹۰۷ء) صوفی سے کبھی ملاقات کا موقع نہ ملا تو صوفی کو ایما اور اقبال کے تعلقات کا اس قدر مفصل علم کیسے تھا جس کا ذکر "روزنامہ ہائیڈل برگ" کے محولہ بالا مضمون میں ملتا ہے۔ کیا ایما نے اپنی بڑی بہن کو ۱۹۰۷ء کے دوران اور پھر اس کے بعد کے

کئی سال کی ایک ساتھ بود و باش کے دوران ان تفصیلات سے آگاہ کیا؟ یا دراصل بات صرف یہ تھی کہ صوفی سے ملاقات کی یاد اتنے برسوں کے بعد علامہ اقبال کے ذہن سے اتر گئی تھی (میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر اقبال ایما کے عزیزوں سے ملے ہوتے تو انہیں یہ بات ضرور یاد رہتی)۔

بہرحال' اوپر بات مسز ایلسا ویگے ناسٹ کے گھر پر بتاریخ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء ہماری چائے نوشی کی ہو رہی تھی۔ ایلسا خاتون بڑی خوش دل اور مہماں نواز شخصیت تھیں، اور بالخصوص میری کزن شہناز سے (جو کافی دبلی پتلی واقع ہوئی ہیں) بار بار کچھ اور کھانے کو کہہ رہی تھیں مثلاً" انجیر اور شہد کی بنی ہوئی ایک بڑی لذیذ خانہ ساز مٹھائی کے ٹکڑے' مگر ہم اب رخصت ہونے کی جلدی میں تھے چونکہ اس وقت شاید ساڑھے پانچ بج رہے تھے اور جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مجھے فرینکفرٹ کے ہوائی اڈے سے ساڑھے آٹھ بجے جہاز پکڑنا تھا۔ چنانچہ ہم نے ایک مرتبہ پھر ان نیک دل خاتون' بیگم ایلسا ویگے ناسٹ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنی تمام معروفیات سے قطعِ نظر کرکے ہمارے لیے اتنا وقت نکالا اور ہمیں اس قدر مفید اور بیش بہا معلومات سے متمتع کیا۔

ڈارم شٹاٹ' فرینکفرٹ' برمنگھم

ہائیل برون سے چل کر سب سے پہلے ہمیں رستے میں ڈارم شٹاٹ DARMSTADT کے شہر سے شہناز درانی کا کچھ سامان لینا تھا جو وہ کارل ہائنز کی والدہ کے گھر پر چھوڑ آئی تھیں' جہاں وہ دونوں چند روز کے لیے چھٹی منانے کے لیے

آئے ہوئے تھے۔ ڈارم شٹاٹ، فرینکفرٹ کے راستے سے ذرا ہٹ کر تھا۔ کارل ہائنز بڑی تیز رفتاری سے کار چلا رہے تھے۔ ہم ان کی والدہ کے فلیٹ میں صرف دس بارہ منٹ ہی ٹھہرے (وہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھیں اور یوں میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی) ۱۳ اور جلدی سے شہناز اور کارل ہائنز کا سازو سامان لے کر ہم پھر فرینکفرٹ کی طرف بہ کمال سرعت روانہ ہو گئے ۔ کارل ہانز AUTOBAHN (خود کار گاڑیوں کی شاہراہ) پر اپنی کار خطرناک حد تک تیز رفتاری سے دوڑا رہے تھے۔ میں دن بھر کا تھکا ہارا تھا۔ راستے میں میری آنکھ لگ گئی اور یوں میں پوری طرح خوف زدہ ہونے سے محفوظ رہا۔ جب آنکھ کھلی تو ہم فرینکفرٹ کے ہوائی اڈے پر تھے اور جہاز کی روانگی میں صرف بیس منٹ باقی تھے۔ میں نے بڑی عجلت میں کارل ہائنز اور شہناز کا ان کی دن بھر کی بے حد مفید امداد کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور بھاگم بھاگ ہوائی جہاز پکڑنے کے لیے دوڑا جس کا میں ہی آخری مسافر تھا۔

ہوائی سفر کے دوران مَیں دن بھر کے کارناموں کے بارے میں مفصل نوٹ تحریر کرتا رہا تاکہ یہ تفاصیل جو ابھی ذہن میں تازہ تھیں ان کی یادداشت ضبطِ تحریر میں آ جائے۔ اس سے اگلی صبح (یعنی یکم اکتوبر ۱۹۸۴ء کو) برمنگھم یونیورسٹی کی ٹرم شروع ہو رہی تھی، اس لیے میں وہاں پہنچتے ہی اپنی تدریسی مصروفیات میں الجھ گیا، لیکن اس سے اگلے آخرِ ہفتہ (WEEK END) کے دوران یعنی بروز اتوار ۷ر اکتوبر ۱۹۸۴ء میں نے مزید نوٹ تیار کیے یعنی پروفیسر کرش ہوف صاحبہ، جناب ہیلموتھ سوئسلر، اور محترمہ ایلما ویگے ناسٹ کے ساتھ ملاقاتوں کی یاد داشتیں۔ اس کے علاوہ ان واقعات سے ایک ہفتہ پہلے یعنی اتوار ۲۳ر ستمبر ۱۹۸۴ء کے روز، میونک کے ایک مضافاتی گاؤں میں میونک یونیورسٹی کے سابقہ ڈائریکٹر جناب بوزاش (DR BUZÁS) سے ملاقات کی تفصیلات بھی تحریر کیں اور میونک میں علامہ اقبال کے پرانے مکان کی جستجو کی یادداشتوں پر بھی نظرِ ثانی کی۔

ایلسا ویگے ناسٹ سے ایک اور ملاقات

اگست ۱۹۸۸ء میں جب ہم لوگ جرمنی، اٹلی، آسٹریا اور ہنگری کا دورہ کر رہے تھے میں نے مسز ایڈتھ شمٹ ۔ ویگے ناسٹ کے ساتھ اپنی ملاقات بروز جمعرات ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کی روشنی میں بعض ایسے تسامحات و اغلاط کی تصحیح کردی تھی جو اس سے ایک سال قبل ہسپانیہ میں اس مضمون کی تحریر اولیں میں رہ گئے تھے یا در آئے تھے۔ اس کے بعد میری بڑی خوش قسمتی رہی کہ ہنگری اور آسٹریا سے واپسی پر بروز جمعہ ۱۹ر اگست ۱۹۸۸ء (یعنی مضمون کے ارقام اول کے خاتمے سے ٹھیک ایک سال بعد) مجھے محترمہ ایلسا ویگے ناسٹ اور ان کے خاندان سے دوبارہ ملاقات کا موقع ملا میں اس ملاقات کا بالخصوص اس لیے مشتاق تھا کہ اول تو وہ تصاویر دوبارہ کھینچوں اور وہ یادداشتیں دوبارہ مرتب کروں جو سال گذشتہ ایلیکانتے میں چوری ہوگئی تھیں اور دوسرے، اگر ہوسکے تو ویگے ناسٹ خاندان سے ان کا وہ مکمل شجرۂ نسب حاصل کروں جس کی میں پچھلے چار برس سے کوشش کر رہا تھا۔

میں نے مسز ایلسا ویگے ناسٹ کو دو ماہ پہلے اپنے دورے کی اطلاع دے دی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر آسٹریا وغیرہ سے واپسی پر ہم لوگ وہاں سے گزریں تو ضرور آجائیں۔ کیونکہ ان دنوں ان کا سارا خاندان گرمی کی چھٹیوں کے بعد گھر پر ہو گا۔ چنانچہ جب ہم جمعہ ۱۹ر اگست کو ڈھائی بجے سہ پہر ہائیل برون میں ان کے گھر (BLÜCHER STRASSE 26) پہنچے تو سب سے پہلے مسز ویگے ناسٹ اور ان کے چھوٹے بیٹے ڈیٹر (DIETER) اور ان کی بیوی اینی فرانس (ANNIE - FRANCE) نے ہمیں خوش آمدید کہی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اگرچہ اب مسز ویگے ناسٹ بیاسی سال کی ہو چکی تھیں، پھر بھی وہ ماشاء اللہ بالکل چاق و چوبند تھیں اور پہلے کی طرح ہنس مکھ اور بات چیت کی شوقین۔ انہوں نے میری بیوی اور چھوٹی بیٹی نادیہ کا (جو میرے ہمراہ تھیں) بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور فوراً" چائے، کیک اور

کباب (جو خود انہوں نے اور ان کی بہو نے تیار کیے تھے) ہم سب کو پیش کیے۔ ڈیٹر سے میں پہلی مرتبہ ملا تھا' لیکن اسے مذہب کے سوا اور کسی چیز سے کم ہی دلچسپی تھی۔ میں نے جب علامہ اقبال اور ایما ویگے ناسٹ کے تعلقات کا ذکر کیا تو کہنے لگا کہ دنیا میں دو قسم کے خاندان ہوتے ہیں۔ ایک اعزہ اور اقارب کا' اور دوسرا خدا اور دین و مذہب کا۔ تو پچھلے کئی سال سے' چاہے جنوبی افریقہ ہو یا یہاں جرمنی' میں تو اسی چرچ والے خاندان میں منہمک اور منضبط رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے ایما ویگے ناسٹ اور باقی عزیزوں سے کوئی رابطہ قائم نہیں رکھا۔ (یاد رہے کہ یہ صاحب اپنے عیسائی فرقے SEVENTH DAY ADVENTISTS کے چرچ کے مشنری کی حیثیت سے کئی سال تک جنوبی افریقہ میں مقیم رہ چکے تھے۔ اب ان کی عمر قریب ۴۹ سال تھی) -

بہر صورت میں نے محترمہ ایلسا ویگے ناسٹ کو اپنی کتاب "اقبال یورپ میں" کی ایک کاپی' موزوں الفاظِ تقدیم کے ساتھ پیش کی' جس کے صفحات (اور بالخصوص اس کے ضمیمہ جات' جو بیشتر جرمن اور انگریزی میں ہیں) ڈیٹر میاں' کچھ دیر الٹتے پلٹتے رہے۔ میں نے انہیں اور ان کی والدہ ماجدہ کو ایما ویگے ناسٹ کی اور ایما کی قبر کی وہ تصویریں بھی دکھائیں جو اس کتاب میں شامل ہیں۔ جب میں مسز ایلسا ویگے ناسٹ کی معیت میں ۱۹۸۴ء میں وہاں گیا تھا اور ان کے سرہانے دعائے مغفرت کر رہا تھا۔ مسز ویگے ناسٹ نے کہا کہ بہتر ہے کہ یہ کتاب تم میرے بڑے بیٹے ہنس کو دے دو کہ وہ اسے شوق کے ساتھ دیکھے گا اور محفوظ رکھے گا۔ اسی دوران ہنس صاحب بھی تشریف لے آئے جن کا مکان اپنی والدہ کے مکان کے پچھواڑے واقع ہے۔ یہ صاحب (جن کی عمر اب باسٹھ سال ہے) اپنے چھوٹے بھائی کی بہ نسبت بہت زیادہ گھلنے ملنے والے نکلے۔ فوراً" کہنے لگے کہ یہاں سے فارغ ہو کر ہمارے یہاں تشریف لائیے تاکہ ہم بھی آپ کی کچھ خاطر تواضع کر سکیں۔ اور پھر خود ہی کہنے لگے کہ میں آپ کو وہ شجرۂ نسب بھی دے دوں گا جس کا آپ کئی برس سے تقاضا کر رہے ہیں۔

چنانچہ تقریباً" آدھا پون گھنٹہ ان کی والدہ کے یہاں بیٹھنے کے بعد ہم سب ہنس کے مکان یعنی I- BLÜCHER STRASSE 26 میں اٹھ آئے۔ یہ مکان بڑی خوش مذاقی کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا۔ صوفے، قالین، دیوار گیریاں، سامانِ آرائش، ہر چیز اعلیٰ معیار کی تھی ۔ دیواروں پر بہت سی آبی رنگ کی تصاویر (WATER-COLOUR PAINTINGS) آویزاں تھیں جو خود ہنس صاحب نے ایک HOBBY کے طور سے پینٹ کی تھیں۔ وہ خود اور ان کے دونوں بیٹے UD0 اور GOETZ بادبانی کشتی رانی کے بھی بڑے شوقین ہیں اور کئی ایک SAILING COMPETITIONS کے سرٹیفکیٹ بھی دیواروں پر آویزاں تھے (ایک کمرے میں ان کے والد جناب LUDWIG وگے ناسٹ کی بنائی ہوئی ایک سادہ سی تصویر بھی لگی تھی جو انہوں نے ۱۹۱۵ء میں جب وہ چودہ سال کے طالب علم تھے، تیار کی تھی)۔ ہنس صاحب تقریباً" ایک سال ہوا ایک امریکی HI-FI کمپنی کی جرمن شاخ کے جنرل منیجر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ چنانچہ انگریزی بے تکان بول سکتے تھے۔ ان کی بیوی REINHILDE ایک بڑی خوش وضع اور مہماں نواز خاتون ہیں۔ انہوں نے فورا" اپنے پائیں باغ میں ایک شامیانے (CANOPY) کے نیچے بچھی ہوئی میز کرسیوں پر ہمیں بٹھایا اور مزید کیک اور مشروبات وغیرہ ہمیں باصرار کھلائے پلائے۔ ہنس کی والدہ صاحبہ بھی اپنا بنایا ہوا ایک CHEESE CAKE اپنے گھر سے لا کر ہمارے ساتھ بات چیت میں شامل ہوگئیں۔ کچھ دیر کے لیے ان کا بڑا بیٹا UDO بھی جو اس روز گھر پر ہی تھا، ہمارے ساتھ آ کر بیٹھا۔ چنانچہ یہ تمام کا تمام خاندان بڑا دوست دار اور گرم جوش ثابت ہوا۔

میں نے اپنی بیوی اور بچی (نادیہ گیتی آرا) کو خواتین کے ساتھ اپنی بات چیت کے لیے چھوڑ دیا کہ وہ ہمارے تعطیلاتی دورے اور نادیہ کی (جس نے ۱۴ اگست کو وی اینا میں اپنی سولہویں سالگرہ منائی تھی) اس

" ARCHAEOLOGICAL " DIG کی تفصیلات کے بارے میں گپ شپ کریں جس میں دو ہفتے کے لیے حصہ لے کر وہ حال ہی میں ویرونا (اٹلی) سے لوٹی تھی، اور میں خود ہنس صاحب کے ساتھ ان کے ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گیا جہاں انہوں نے وہ بڑا شجرۂ نسب (قریباً" ۳ فٹ x ۲ فٹ) جو ان کے امریکی عزیز نے جون ۱۹۷۹ء میں تیار کیا تھا، ایک بڑی میز پر پھیلا دیا اور اپنے خاندان کے حالات مجھے بتاتے رہے (اس شجرے میں سب سے پرانا اندراج ۱۵۵۴ء کا ہے)۔ انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ ایک دو اور اصحاب نے بھی اس شجرے کا تقاضا کیا تھا، لیکن اب چونکہ آپ کے ساتھ بالمشافہ گفتگو ہو گئی ہے اس لیے میں آپ کو یہ بخوشی مستعار دیتا ہوں۔ آپ اس کی نقل کروا کے اطمینان کے ساتھ مجھے اصل (ORIGINAL) واپس بھیج دیجئے گا۔ پھر از راہِ کرم انہوں نے مجھے وہ پرانا قلمی شجرہ بھی عاریتہ" عطا کر دیا جس کی XEROX نقل ۱۹۸۴ء میں ایلسا خاتون نے مجھے دی تھی (اور جو پچھلے سال ہسپانیہ میں چوری ہو گئی تھی)۔ اس موخر الذکر نسخے کی پشت پر میں نے دیکھا کہ اسے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں پروفیسر کرش ہوف کے والد ماجد جناب آٹو (OTTO) وینگے ناسٹ نے ٹری ایسٹ TRIEST (اٹلی) کے مقام پر پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا۔ اسی ضمن میں ہنس صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کو اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی کہانی سناؤں۔ وہ یوں ہے کہ آج سے قریب چالیس سال پہلے، جب جنگِ عظیم کے خاتمے پر میرے رشتے کے چچا آٹو صاحب بھی اٹلی سے آ کر یہاں ہائیل برون میں آباد ہو گئے تھے تو میں ایک روز بائیکل پر سوار شہر میں سے گزر رہا تھا۔ آٹو چچا لاٹھی کے سہارے فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے مجھے روکا اور سڑک پار کر کے میرے پاس پہنچے۔ کہنے لگے، دیکھو میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ نہ جانے عمر کب تک وفا کرے (ان کی پیدائش ۱۸۷۷ء کی تھی) میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے، صرف ایک بیٹی ہیلا (اصل نام HELENE) ہے۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی خاندانی انگشتری جس پر ہمارا

CREST کندہ ہے، تمہیں دے دوں تاکہ یہ ویگے ناسٹ خاندان میں محفوظ رہے، تم ایک نوجوان لڑکے ہو۔ تو صاحب، چند دنوں بعد انہوں نے مجھے یہ انگشتری مرحمت فرما دی اور یہ اب تک میرے قبضے میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ مجھے وہ مہر والی خاتم دکھائی، جس پر ویگے ناسٹ اور WEGE-AM-AST (یعنی "راہ ۔ بر ۔ شاخِ شجر") کا نقش ثبت ہے۔ (جب چند دنوں بعد میں نے مسز ایڈتھ شمٹ ۔ ویگے ناسٹ کو یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا ہاں مجھے یہ بات یاد ہے۔ در اصل ہیلا کرش ہوف کو یہ تاسف ہی رہا کہ ان کے والد نے ان کے بجائے یہ انگشتری ایک اور خاندانی عزیز کو مرد ہونے کی وجہ سے ہدیہ کر دی۔ پھر کہنے لگیں : بہر حال، چند برس ہوئے خود میں نے اپنے والد کے کاغذات میں سے یہ خاندانی نقش CREST تلاش کرکے اپنے جوہری سے ایک اور انگشتری بنوا لی ہے (جو چند ہفتے ہوئے میں نے تمہیں دکھائی تھی)۔ میں نے ہنس ویگے ناسٹ صاحب کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس قدر قیمتی خاندانی کاغذات میرے حوالے کر دیے جو ان کی فراخدلی اور اعتبار کا ثبوت ہیں اور وعدہ کیا کہ انگلستان میں ان کی نقلیں بناتے ہی یہ انہیں واپس بھیج دوں گا۔ (جیسا کہ میں نے کیا)۔

ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر

کچھ مزید بات چیت کے بعد میں نے ہنس صاحب سے کہا کہ چونکہ میری گذشتہ زیارت (ستمبر ۱۹۸۳ء) کی بیشتر تصویریں پچھلے سال ہسپانیہ میں ضائع ہو گئی ہیں اس لیے میری بڑی خواہش ہے کہ دوبارہ ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر حاضر ہوں اور نہ صرف ان کی قبر کو دیکھ کر اکتساب فیض کروں بلکہ دوبارہ کچھ تصویریں کھینچ لوں۔ وہ اس بات پر از راہ کرم فورا" تیار ہو گئے۔ کہنے لگے میں تمہیں اپنی کار پر وہاں لے

جاتا ہوں۔ مزید برآں میری درخواست پر ان کی والدہ اور بیگم صاحبہ بھی تیار ہوگئیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم چاروں ہنس صاحب کی کار پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں ہنس صاحب نے وہ سکول بھی دکھایا جہاں ایما ویگے ناسٹ اور وہ خود بچپن میں زیرِ تعلیم رہ چکے تھے۔ پھر میری استدعا پر ہم اس سڑک سے گزرے (یعنی LUISEN STRASSE) جہاں ۲۹ نمبر کے مکان میں ایما ویگے ناسٹ اپنے عالمِ شباب میں اپنے والد کے ساتھ مقیم رہ چکی تھیں اور جس پتے پر ۱۹۰۷ء میں علامہ اقبال نے انہیں میونک اور لندن سے خط لکھے تھے (دیکھیے ان کا خط نمبر۲ از میونک مورخہ ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء مشمولہ "اقبال یورپ میں" صفحہ ۱۱۱ - ۱۱۰ اور خط نمبر ۱۴ از لندن مورخہ ۲۹؍ نومبر ۱۹۰۷ء کتاب مذکورہ ' ص ۱۱۳)۔ یہاں کچھ تصویریں اتارنے کے بعد ہم ہائیل برون کے قبرستان میں پہنچے جہاں حسبِ سابق گل بوٹے اور رنگا رنگ درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ مس ایما ویگے ناسٹ کی قبر کا نمبر میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا کہ تلاش میں آسانی رہے اور وہ جلد ہی ہمیں مل گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس قبر پر ایک دائمی سکون طاری ہے۔ یہ جھاڑیوں اور پودوں سے گھری ہوئی تھی۔ اس کے قدموں میں سرخ ' سفید' پیازی اور کاسنی رنگ کے پھولوں کی ایک چادر بچھی ہوئی تھی جن کے گھنے سبز' رس بھرے پتے ایک غنودگی کے عالم میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے آنکھیں بند کیں تو مجھے پھر یوں محسوس ہوا کہ گویا اقبال اور ایما میرے پاس ہی موجود ہیں اور ایک مدت کے بعد ایک دوسرے سے مل رہے ہیں' اور مسرور ہیں کہ میں اور ایما ویگے ناسٹ کے قرابت دار ان کی محبت و مودت کی یاد تازہ کرنے کے لیے دوبارہ وہاں آئے ہیں۔ ہنس ویگے ناسٹ کی بیوی رائین ہلڈے نے ایک بھیگے ہوئے کپڑے سے سنگ مزار کو صاف کیا کہ میں اس کی تصویر لے سکوں۔ ایلسا اور ہنس نے جھاڑیوں اور پھولوں کی کچھ صفائی کی۔ میں نے دست دعا پھیلا کر اس نیک دل خاتون ایما کے لیے مغفرت کی دعا کی جنہوں نے کئی طرح سے نوجوان اقبال کی مدد

کی تھی اور جن کے لیے اقبال کے دل میں ہمیشہ ایک ملائم اور محبت بھرا گوشہ جاگزیں رہا۔ ایما کی لحد کی، سنگ مزار کی اور اس کے عزیزوں کی کچھ تصویریں کھینچنے کے بعد میں ایسے ہی خیالوں میں کھویا ہوا، اقبال کی اس دعا کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حواشی

۱۔ واضح رہے کہ یہاں "ہم" سے مراد ہے راقم الحروف اور میری ممیری بہن شہناز درانی اور ان کے المانوی نو مسلم شوہر کارل ہائنز برن ہارٹ (KARL-HEINZ BERNHARDT) (جن کی ملاقات چند سال قبل پیکنگ میں ہوئی تھی، جہاں یہ دونوں اعلیٰ تعلیم پا رہے تھے اور اب یہ دونوں بون یونیورسٹی میں بین الاقوامی روابط کے موضوع پر پی ایچ ڈی کر رہے تھے)۔

۲۔ ایک ہفتہ قبل (بروز ۲۸ جولائی ۱۹۸۸ء) ڈسل ڈورف میں مجھے بیگم شمٹ ویگے ناسٹ نے بتایا کہ ان کا خاندان ایک بڑا قدیمی گھرانہ ہے، جس کا ایک پرانا CREST (خاندانی طغرا) بھی ہے جو ان کی انگشتری پر ثبت تھا۔ انہوں نے کہا کہ دراصل یہ نام WEGENAST زمانہ قدیم میں تین الفاظ سے مرکب ہوا تھا۔ یعنی WEGE-AM-AST (راہ ۔ بر ۔ شاخِ شجر) اور وہ خاندانی CREST انہی اجزا پر مشتمل تھا (درانی)

۳۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو ڈسل ڈورف میں محترمہ ایڈتھ شمٹ ویگے ناسٹ نے بھی اس روایت کی تصدیق کی۔ انہوں نے کہا کہ میری پھوپی ایما نے، جو مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں، کبھی کھلے الفاظ میں تو مجھے ایسا نہیں بتایا، لیکن اپنی تمناؤں اور یادوں کے بارے میں انہوں نے مجھے یقیناً" یہ IMPRESSION (تاثر) دیا، اور اس زمانے کی طرف اور ان احساسات کی جانب کئی مرتبہ اشارہ کیا۔

پھر ایڈتھ خاتون کہنے لگیں، ہاں مجھے ایک اور بات یاد آئی۔ اور تھوڑی دیر میں وہ اپنے جواہرات کی صندوقچی میں سے ایک بڑا خوب صورت زیور لے کر آئیں جو انہوں نے مجھے اور میری بیوی کو دکھایا۔ یہ ایک بڑا دلکش اور دیدہ زیب BROOCH (بلاؤز کے سینے پر ٹانکنے کا مرقع) تھا۔ یہ قریباً" ایک RHOMBUS

(معیّن' یا پتنگ یعنی KITE) کی شکل میں تھا' جس کی اطراف ڈیڑھ سینٹی میٹر کے قریب تھیں۔ یہ بڑے نازک کام کا ایک طلائی زیور تھا جس کے درمیان میں دو بڑے خوب صورت ننھے ننھے موتی جڑے ہوئے تھے اور ارد گرد سنہری پتیاں سی بل کھاتی ہوئی بیلوں کی صورت میں حلقہ کیے ہوئے تھیں (اس وقت میرے سامنے اس کی ایک رنگین تصویر موجود ہے)۔ ایڈتھ خاتون کہنے لگیں کہ اس قسم کے دو بروچ تھے جو ایما کی ملکیت تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ ان کی بہن صوفی کے پاس آئے جنھوں نے ان میں سے ایک مجھ کو اور دوسرا اپنی دوسری بھتیجی (یعنی میرے بڑے چچا کارل کی بیٹی فریدہ FRIEDA) کو عطا کر دیا۔ پھر ایک مرتبہ جب میری کزن فریدہ اسے مرمت کے لیے اپنے جوہری کے پاس لے گئی تو اس نے کہا کہ یہ تو ہندوستانی کام کا ایک بڑا نازک اور خوب صورت مرقع ہے۔ چنانچہ اس وقت سے میرا (یعنی ایڈتھ ویگے ناسٹ کا) یہ ذاتی خیال رہا ہے کہ یہ دونوں خوب صورت اور جڑواں بروچ اقبال ہی نے ایما کو ہندوستان سے "تحفتاً" بھیجے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مزید دیکھیے میری کتاب "اقبال یورپ میں" کے اندر اقبال کا خط نمبر ۱۵ مرقومہ لاہور' ۲۲ ر ستمبر ۱۹۱۰ء ' جس میں وہ ایما کو تبتی بھیڑ کی کھال کی بنی ہوئی ایک چیز "تحفتاً" بھیجنے کا ذکر کرتے ہیں جو اوور کوٹ کے کالر اور بازوؤں پر لگانے کے لیے تھی' مزید ان کا خط نمبر ۲۶ - از لاہور' ۱۱ ر مئی ۱۹۱۱ء ' جس میں وہ ایما کا ان خوبصورت ٹائیوں یا گلوبندوں (CRAVATS) کے لیے شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس نے اقبال کو "تحفتاً" بھیجی تھیں' (درانی)۔

۴۔ ۱۹ر اگست ۱۹۸۸ء کو مجھے ہنس ویگے ناسٹ نے بتایا کہ یہاں ان کے والد' یعنی جناب لڈوِگ ویگے ناسٹ' کا صرف کتبہ یعنی سنگ مزار نصب ہے۔ ان کی خاک تا حال فرانس میں آسودہ ہے۔ (ہاں ' شجرۂ نسب کے مطابق ایما کے والد ایڈولف ویگے ناسٹ اور لڈوگ کے دادا گستاف ویگے ناسٹ جڑواں بھائی تھے اور دونوں کی

تاریخ پیدائش ۴ر اپریل ۱۸۴۴ء تھی۔ (درانی)

۵۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو مسز ایڈتھ شمٹ وبگے ناسٹ نے مجھے بتایا کہ جہاں تک انہیں یاد ہے' ایما کے والد کا کاروبار لوہے کی ترازوئیں وغیرہ بنانے کا تھا اور ایک موقع پر ان کا تمام کارخانہ نذر آتش ہو گیا۔ جب کہ بیمے کی ایک پالیسی ختم ہو چکی تھی اور نئی پالیسی چند روز بعد سالِ نَو کے آغاز سے شروع ہونے والی تھی۔ چنانچہ انہیں انشورنس کمپنی سے بالکل کچھ حاصل نہ ہو سکا۔

۶۔ مسز شمٹ۔وبگے ناسٹ کے خیال میں یہ سب مکانات ایما کے والد کی ملکیت نہ تھے' بلکہ وبگے ناسٹ خاندان کے کئی ایک افراد اس شہر میں آباد تھے۔

۷۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو مجھے بیگم شمٹ وبگے ناسٹ نے بتایا کہ شروع میں اس سڑک کا نام MITTEL STRASSE تھا۔ (جب اس صدی کی دوسری دہائی میں وہ اپنی پھوپھی کے یہاں جایا کرتی تھیں)' پھر نازیوں کے زمانے میں اس کا نام بدل کر ششتا۔بُن اسٹراسے رکھ دیا گیا۔

۸۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کی ملاقات میں مجھے بیگم ایڈتھ شمٹ وبگے ناسٹ نے بتایا کہ کسی وجہ سے وبگے ناسٹ خاندان کی اس شاخ سے باقی سب نے بالکل قطع تعلق کر دیا تھا۔ "ہمیں ان کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ نہ کچھ عرصہ پہلے تک مجھے یہ معلوم تھا کہ ان کی بیوی کا نام ایلما ہے اور وہ لوگ ابھی تک ہائیل برون میں آباد ہیں۔ کسی وجہ سے ہمارا خاندان ان کا کبھی ذکر نہ کرتا تھا۔" ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہی مذہبی فرقہ بندی ہو' جس کے متعلق مجھے ایلما نے بتایا۔

۹۔ اب یہ ظاہر ہوا ہے کہ یہ قدیم شجرہ پروفیسر ہیلا کرش ہوف کے والد ماجد جناب (OTTO) وبگے ناسٹ نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں تیار کیا تھا۔

۱۰۔ ان سطور کی تحریر سے چند ماہ قبل پروفیسر کرش ہوف صاحبہ نے مجھے یہ پتا عطا کر دیا تھا اور پچھلے ہفتے (۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء) کو مسز شمٹ۔وبگے ناسٹ نے مجھے

بتایا کہ ان کے اس امریکی عزیز نے انہیں بھی اس شجرے کی ایک نقل مہیا کی ہے (جو میں نے خود وہاں دیکھی)' اور انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی ایک فوٹو کاپی وہ مجھے عطا کریں گی۔

۱۱۔ پچھلے ہفتے بروز ۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء کو مجھے بیگم شمٹ ویگے ناسٹ نے بتایا کہ SOPHIE پرانا طرز املا ہے جب کہ جدید ہجے SOFIE ہیں۔

۱۲۔ اگرچہ علامہ اقبال دسمبر ۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن تشریف لائے اور ۱۹ر جنوری ۳۳ء کو ان کا ہائیڈل برگ جانے اور وہاں ایک رات رکنے کا پختہ پروگرام بھی تھا (دیکھیے ان کا خط نمبر۲۶' مورخہ ۲۹ دسمبر ۳۲ء از لندن)' لیکن بوجوہ ان کا پروگرام تبدیل ہوگیا اور ایما (اور اس کے عزیزوں) سے دوبارہ ملنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

۱۳۔ افسوس کہ ۱۹۸۷ء کے اوائل میں کار کے ایک حادثے میں ان کا انتقال ہوگیا۔

---

(۳)
میونک

(علامہ کی پی ایچ ڈی کے مراحل)

میونک

(علامہ کی پی ایچ ڈی کے مراحل)

علامہ اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کا غلغلہ برپا ہوا تو مجھے علامہ کی تاریخ پیدائش کی تحقیق کی تحریک و تشویق ہوئی۔ خلاصہ اس داستان کا یوں ہے کہ اس سال (۱۹۷۶ء) کے تابستان کی چھٹیوں میں، میں ایک سائنسی کتاب کی تصنیف کی خاطر، کیمبرج یونیورسٹی میں اپنے پرانے کالج، کیز (CAIUS) میں تین ماہ کے لئے مقیم تھا۔ وہاں اپنے پرانے کرم فرما اور مشہور تاریخ دان و صحافی جناب اِئین اسٹیفنز (IAN STEPHENS) سے ملاقاتیں رہیں، جو آزادیِ ہند و پاکستان سے پہلے اور اس سے تھوڑی دیر بعد تک دہلی اور کلکتہ سے شائع ہونیوالے اخبار THE STATESMAN کے ایڈیٹر رہ چکے تھے۔ ہم دونوں نے مل کر کراچی کے معروف روز نامے ڈان (THE DAWN) میں ایک خط شائع کیا، اور اسی کے ساتھ پاکستان کے وزیرِ اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کو بھی ایک ذاتی خط لکھا، کہ علامہ کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریب سے کیمبرج یونیورسٹی میں (جو علامہ کی قدیم مادرِ تعلیم

ALMA MATER تھی)، ایک "مسندِ اقبال" بہ نام IQBAL CHAIR OF ISLAMIC STUDIES قائم ہونی چاہیے - بہر صورت، جب ہم یہ خطوط لکھ رہے تھے تو جناب اِئین اسٹیفنز نے مجھ سے کہا کہ بھئی یہ صد سالہ جشن ولادت ۱۹۷۷ء میں کیوں منایا جانے والا ہے، جبکہ حوالے کی کتابوں میں تو اقبال کی تاریخ پیدائش میں نے ۱۸۷۳ء درج پائی ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ ایک متنازع فیہ مسئلہ ہے۔ حکومت پاکستان نے علامہ کی تاریخ پیدائش کے تعین کے لئے ایک کمیٹی بٹھائی تھی، جس نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کی صحیح تاریخ ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہے۔ لیکن اسٹیفنز صاحب کی، بطور ایک تاریخ نگار کے، اس بات پر تسلی نہ ہوئی انہوں نے مجھ سے کہا کہ بھئی ہو سکے تو تم بھی ذرا اس مسئلے کی چھان بین کر ڈالو۔ اسی زمانے میں میں نے پروفیسر انماری شمل کی کتاب GABRIEL'S WING میں پڑھا تھا کہ میونک یونیورسٹی میں اقبال نے اپنا جو تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے داخل کیا تھا، اس میں انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش بھی درج کی ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں میں ایک سائنس کانفرنس میں حصہ لینے کے لئے میونک گیا، تو کانفرنس کے خاتمے کے بعد مَیں نے یونیورسٹی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں علامہ کے تحقیقی مقالے معنونہ THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA کے دیکھنے کا تقاضا کیا۔ لائبریری کے سر رشتہ کاروں نے بتایا کہ یہ کتاب چند سال قبل "تحفتہً" حکومت ہند کو پیش کر دی گئی تھی، اور اب اسکا کوئی نسخہ اس لائبریری میں موجود نہیں ہے۔

پھر فروری ۱۹۷۷ء میں، مَیں نے علامہ کے پرانے کالج ٹرنٹی کالج کیمبرج TRINITY COLLEGE, CAMBRIDGE سے استفسار کیا تو کالج کے لائبریرین جناب DR PHILIP GASKELL نے مجھے اطلاع دی کہ کیمبرج یونیورسٹی کی رجسٹری نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ "اقبال کو درجۂ اعلیٰ کے طالبِ علم کی حیثیت سے ("AS AN ADVANCED STUDENT") داخلہ ملا تھا۔ اور انہوں نے

("بظاہر' اخلاقیات (MORAL SCIENCES) کے کسی موضوع پر") ایک تحقیقی مقالہ (DISSERTATION) پیش کیا تھا جو مارچ ۱۹۰۷ء کو خاص اجازت سے ("BY SPECIAL DISPENSATION") بی اے کی ڈگری کے لئے منظور کیا گیا تھا۔ انہیں یہ ڈگری ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کو عطا کی گئی' لیکن انہوں نے ایم اے کی ڈگری حاصل نہ کی۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے ضوابط اولاً" صرف مئی ۱۹۲۰ء میں منظور کیے گئے' اور اس ڈگری کے لئے سب سے پہلا امیدوار ۱۹۲۱ء میں پیش ہوا ("PRESENTED HIMSELF") واضح رہے کہ میں نے چند روز پہلے جناب ڈاکٹر گیسکل سے پوچھا تھا کہ اقبال نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کیمبرج یونیورسٹی ہی سے کیوں حاصل نہ کرلی۔ اور مزید برآں 'اقبال نے وہاں سے ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کی یا نہیں' (جو بی اے آنرز کی ڈگری کے چند سال بعد ایک مقررہ فیس داخل کرنے پر' بلا کسی مزید امتحان کے سیدھے ہاتھوں مل جاتی ہے۔)

ان اطلاعات کے بعد میں وقتاً" فوقتاً" اس بات پر تعجب کرتا رہا کہ آخر حضرت اقبال نے میونک یونیورسٹی سے ایکا ایکی پی ایچ ڈی کی ڈگری کس طرح حاصل کرلی۔ عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" سے مجھے معلوم تھا کہ جناب اقبال لندن سے ۲۰ر جولائی ۱۹۰۷ء کے لگ بھگ جرمنی گئے تھے۔ اور پروفیسر انماری شمل کی کتاب GABRIEL'S WING میں میں نے پڑھ رکھا تھا کہ اقبال نے پی ایچ ڈی کا زبانی امتحان نومبر ۱۹۰۷ء میں پاس کرلیا تھا' اور اس کی تصدیق اکتوبر ۱۹۷۶ء میں میں خود میونک یونیورسٹی کے ریکارڈوں سے کر چکا تھا' جہاں محمد اقبال کے کوائف میں زبانی امتحان کی تاریخ ۴ نومبر ۱۹۰۷ء درج تھی۔ تو سوال یہ تھا کہ انہوں نے یوں ہتھیلی پر سرسوں کیسے جما لی؟

میں ان باتوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ہو نہ ہو' انہوں نے اپنے اسی DISSERTATION کی کچھ اصلاح و ترمیم کرنے کے بعد' اسے بطور تھیسس میونک یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے داخل کر دیا ہو گا۔ کیونکہ ان دنوں جبکہ برطانوی یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کا ابھی رواج نہیں ہوا تھا' وہاں کے ذہین طلبہ کو اس ڈگری کے حصول کے لئے جرمنی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ میرے اس قیاس کی مکمل تصدیق اس وقت ہوئی جب جون ۱۹۸۲ء میں میں نے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں علامہ اقبال کے تحقیقی مقالے معنونہ DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA کا اصل نسخہ دریافت کرلیا' جس پر انہیں جون ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی اے کی ڈگری عطا ہوئی تھی۔(اس داستان کی تفصیلات کے لیے دیکھیے میرا مضمون "فلسفۂ عجم کے اصل مسودے کی دریافت"' باب دہم "اقبال یورپ میں"' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان ۔ ۱۹۸۵ء)

بعد ازاں بعض اصحاب نے یہ سوال اٹھایا کہ آیا حضرت اقبال نے میونک یونیورسٹی کو یہ اطلاع دی تھی کہ وہ اپنے اسی مقالے پر کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری لے چکے ہیں؟ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ جناب اقبال نے اس امر کی اطلاع میونک یونیورسٹی کو بالضرور بہم پہنچائی ہو گی۔ ورنہ اس یونیورسٹی کے کار پردازان اتنے کم فہم نہ ہوں گے کہ ایک نوجوان جولائی (۱۹۰۷ء) کے مہینے میں وہاں پہنچے اور چند ماہ کے بعد (یعنی نومبر ۱۹۰۷ء میں) وہ اسے پی ایچ ڈی کی ڈگری دے ڈالیں' بغیر یہ پوچھنے کے کہ میاں' تم نے تین ماہ کے اندر اندر اپنی تحقیق کیسے مکمل کر ڈالی؟ اور تمہارا نگرانِ تحقیق کون تھا؟

یہ تھی صورتِ حالات جب اکتوبر ۱۹۸۷ء کے اوائل میں' میں دوبارہ واردِ میونک ہوا' جہاں میں ایک سائنسی کانفرنس میں شرکت کر رہا تھا۔ دو ماہ قبل' جنوبی

ہسپانیہ کے ایک شہر ALICANTE میں میرا بیگ اٹھائی گیروں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اس میں علامہ اقبال کے بارے میں میرے بہت سے ضروری کاغذات اور کتابیں بند تھیں' مع ان یادداشتوں کے جو میں نے ستمبر ۱۹۸۴ء کے دورۂ میونک' ہائیڈل برگ اور ہائیل برون (HEILBRONN) میں جمع کی تھیں۔ اب اس امر کے علاوہ چارۂ کار نہ تھا کہ میں یہ تمام اطلاعات اور مواد پھر جمع کروں (بموافق: "کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو")۔ تو یہ تھا پس منظر میری تحقیقات اکتوبر ۱۹۸۷ء کا' جب میں اپنی سائنس کانفرنس کے خاتمے پر جمعرات ۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کے روز میونک یونیورسٹی (LUDWIG - MAXIMILIANS - UNIVERSITAET, MUENCHEN) کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔

میونک یونیورسٹی لائبریری میں

میں اپنے ساتھ اپنے ایک سابق جرمن طالب علم' ڈاکٹر ہنس ماسٹ (DR HANS MAST)' کو بھی میونک یونیورسٹی لیتا گیا تھا' تاکہ وہ اس جستجو میں میرا ہاتھ بٹا سکیں۔ اگرچہ میں حسبِ ضرورت جرمن زبان بول لیتا ہوں' اور المانیہ میں انگریزی زبان بھی خاصی مستعمل ہے' پھر بھی ایک مقامی اہلِ زبان کی موجودگی بڑی کار آمد ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ۱۵ ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کو صبح کے کوئی گیارہ بجے ہم لوگ یونیورسٹی کی لائبریری میں پہنچے تو ڈاکٹر ماسٹ نے لائبریری کے عہدہ داروں کے ساتھ میرا یہ کہہ کر تعارف کیا کہ یہ پروفیسر درانی ہیں' جو اقبال اکادمی (یو کے) کے صدر نشین ہیں' کیونکہ جرمنی میں سرکاری یا رسمی قسم کے عہدوں (STATUS) کا کافی لحاظ کیا جاتا ہے۔ بہر حال ہم نے اپنا مدعا بیان کیا' یعنی کیا ہم ۱۹۰۷ء کے ریکارڈ کو دیکھ سکتے ہیں۔ ایک بڑی مدد گار (HELPFUL) خاتون نے کہا کہ ریکارڈوں کے محافظ خانے

(ARCHIVES) کی نگرانِ اعلیٰ ایک خاتون پروفیسر ہیں' بنام ڈاکٹر لیتیشیا بوہم (PROFESSOR DR LAETITIA BOEHM) ۔ ان سے ہمیں اجازت حاصل کرنی ہوگی۔ اور وہ اس وقت دفتر میں تشریف نہیں رکھتیں۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہم دو بجے لائبریری میں دوبارہ واپس آئیں۔ اس دوران میں وہ ڈاکٹر بوہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گی۔ اور اگر خاتون موصوفہ نے اجازت دے دی' تو ہم بخوشی ان ریکارڈوں کا معائنہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ہم ان صاحبہ کا شکریہ ادا کر کے ایک قریبی ریستوراں میں لنچ کرنے کے لیے چلے گئے۔

دو بجے ہم دوبارہ یونیورسٹی پہنچے تو معلوم ہوا کہ پروفیسر بوہم صاحبہ نے ان قدیم ریکارڈوں (یعنی "لوح ہائے محفوظ") کے دیکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی ہے۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ مہم کا جزو اول کامیابی سے سرانجام پایا۔ عملے کی اس خاتون نے کہا کہ اس دوران میں محافظ خانے کے ایک اہل کار جناب مارٹن شُٹز MARTIN SCHÜTZ نے ۱۹۰۷ء کے ریکارڈوں کی چھان بین بھی شروع کر دی ہے۔ چنانچہ ذرا سی دیر میں ایک خوش اخلاق' نوجوان عہدہ دار وہاں آ پہنچے اور کہنے لگے میں محافظ خانے کا نگران یا سر رشتہ کار ہوں۔ آیئے میرے ساتھ وہاں تشریف لایئے۔

بعض اہم کاغذات کی دستیابی

مارٹن شُٹز صاحب' جن کی عمر قریب پینتیس برس تھی' ایک بڑے مستعد' قابل اور کارکن شخص نکلے۔ اور ہمارے آنے سے پیشتر ہی' یعنی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر' انہوں نے محافظ خانے کے مختلف رجسٹروں اور فائلوں میں سے شیخ محمد اقبال کے بارے میں بہت سے کاغذات نکال کر یک جا کر دیے تھے۔ مزید برآں' اس

معائنے کے دوران' ہماری فرمائش پر' وہ مزید چند کاغذات بھی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔

ہنس ماسٹ اور میں نے لحہ بہ لحہ بڑھتے ہوئے شوق اور بے تابی (EXCITEMENT) کے ساتھ اس گراں مایہ ذخیرے کا بغور مطالعہ شروع کر دیا۔ محافظ خانے کے اس کمرے میں صرف ایک دو اور دانشجو اپنی اپنی تحقیق میں منہمک بیٹھے تھے۔ اور ہماری میز سے چند ہی قدم کے فاصلے پر مارٹن صاحب بھی اپنے ڈیسک پر دفتر کے کام کاج میں مصروف تھے۔ ہمیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ ریکارڈ' جو زیادہ تر دستی اور قلمی تھے' ایسے رسم الخط (SCRIPT) میں لکھے گئے تھے جو جرمنی میں آج سے اسی یا سو سال پیشتر مستعمل تھا' اور اب بالکل متروک ہو چکا ہے۔ چنانچہ میرے رفیق ڈاکٹر ماسٹ نے' جو خود جرمن ہیں' اعتراف کیا کہ ان کے لیے بھی کئی ایک پروفیسروں کی لکھائی (HANDWRITING) کا پڑھنا بہت مشکل' بلکہ کہیں کہیں کم و بیش ناممکن ' تھا۔ (یہی بات اس سے دو روز بعد میونک یونیورسٹی کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر بوزاش' نے بھی کہی' جن کو ہم نے یہ تحریر دکھائی۔ اور میری بیوی بھی جو جرمن نژاد ہیں' اسی نتیجے پر پہنچیں۔) چنانچہ ہم نے مارٹن نسٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ ہماری کچھ مدد فرمائیں۔ انہیں ایسی تحریروں کی قرأت پر کافی حد تک عبور حاصل ہے۔ چنانچہ انہوں نے از راہ کرم مختلف پروفیسروں کی تحریروں کی گتھیاں ہمارے لیے سلجھانی شروع کیں' اور بڑی روانی کے ساتھ انہیں DECODE کرنا شروع کر دیا۔ میں نے سوچا کہ (بقول شاعر) "جب کرم 'رخصت گستاخی و بے باکی دے" تو یہ سخت نادانی ہوگی اگر ہم انہی "چند کلیوں" پر قناعت کرلیں' کیوں نہ داماں دراز کر دیکھیں میں نے مارٹن صاحب سے کہا کہ اگر ان کی توضیحات کے باوجود اب ہم ان تمام تحریروں کو اپنے ہاتھ سے نقل کرنے بیٹھ گئے تو اس میں تو کئی ایک گھنٹے لگ جائیں گے 'کیونکہ ایک دو پیراگرافوں ہی کی نقل میں ہمیں کوئی گھنٹہ بھر پہلے ہی لگ چکا تھا۔

کیا ہی اچھا ہو اگر وہ ان تمام متعلقہ ریکارڈوں کی فوٹو کاپی ہمیں عطا کر دیں۔ ہم بخوشی ان زیروکس XEROX کاپیوں کی قیمت ادا کر دیں گے۔

مجھے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ بلا کسی رد و قدح کے انہوں نے اس تجویز سے اتفاق کرلیا۔ (ورنہ مجھے یاد تھا کہ چند برس پیشتر' علامہ اقبال کے کیمبرج یونیورسٹی والے تھیسس کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کے لیے مجھے کئی ماہ کی خط و کتابت اور کاپی رائٹ کے مرحلے طے کرنے پڑے تھے):- اور ذرا سی دیر میں وہ ان کاغذات کی دو دو نقلیں ہمارے لیے خود نکال کر لے آئے۔ ان میں سے ایک ہنس ماسٹ کے لیے اور ایک میرے لیے تھی۔ میں نے فوراً ان کی قیمت ادا کر دی۔

اس کے بعد ہم نے ان تحریروں کے مصنف مختلف پروفیسر صاحبان کے بارے میں چند سوال کیے تو مارٹن صاحب بڑی مستعدی اور لیاقت کے ساتھ حوالے کی کتابیں اور دائرۃ المعارف وغیرہ لے کر آ گئے' اور ہمیں ان اصحاب کے کوائف حیات سے آگاہ کرنے لگے۔ (واقعی ان کے سے قابل "محافظِ الواح" پر میونک یونیورسٹی جتنا ناز کرے' کم ہے)۔ ہم نے ان سے مزید چند ریکارڈوں کے بارے میں استفسار کیا (مثلاً" اقبال کے زبانی امتحان کے لیے میونک یونیورسٹی کی سینٹ کمیٹی کی اجازت' ان کی پی ایچ ڈی ڈگری کا سرٹیفکیٹ ' جس کی تصویر فقیر سید وحید الدین کی کتاب IQBAL IN PICTURES مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء میں موجود ہے۔ وغیرہ)' تو یہ اسناد بھی وہ تھوڑی ہی دیر میں ڈھونڈ کر نکال لائے' اور ان کی فوٹو کاپیاں بھی انہوں نے ہمیں دے دیں۔ ہم نے مارٹن تُنسز صاحب کا بتہِ دل سے شکریہ ادا کیا' اپنی یادداشت کے لیے ان کی ایک دو تصویریں کھینچیں' اور نازاں و فرحاں ہم لائبریری سے رخصت ہوئے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جناب ہنس ماسٹ اس تمام رات ان ریکارڈوں کی قدیم جرمن تحریروں کو، مارٹن صاحب کی قرأت کی روشنی میں، اور گہری دلچسپی کے ساتھ، اپنے رسم الخط میں منتقل کرتے رہے۔ اور میں بھی تا دیر ان کے ساتھ بیٹھا انہیں پڑھتا رہا۔ ان سے کئی عجیب و غریب چیزوں کا انکشاف ہوا، اور جولائی ۱۹۰۷ء تا نومبر ۱۹۰۷ء کے عرصے میں علامہ، اور ان کے اساتذہ، کی سرگرمیوں کا پورا نقشہ آہستہ آہستہ ہمارے سامنے ابھر آیا۔ دو روز بعد میں برمنگھم واپس چلا گیا تو ڈاکٹر ماسٹ نے ان تمام تحاریر کا انگریزی ترجمہ بھی مجھے ڈاک سے بھیج دیا۔ ان تراجم کی کافی تصحیح و تنقیح کے بعد میں نے ان کو اپنی سکریٹری خاتون کے سپرد کیا کہ وہ انہیں پورے سلیقے کے ساتھ اپنے WORD PROCESSOR کی مدد سے، طبع کرلے، اور جرمن زبان کے اصل مسودوں اور سرٹیفیکیٹوں وغیرہ کو بھی اسی طرح PRINTOUT کرلے، (جنہیں ہنس ماسٹ نے بڑے صاف (LEGIBLE) طریقے سے TRANSCRIBE (یعنی خوش نویسی کے ساتھ نقل) کر دیا تھا)۔

اب مَیں پہلی مرتبہ کتابی شکل میں مداحین اقبال کی خدمت میں ان تمام اصل (ORIGINAL) جرمن تحریروں، ان کے (جرمن) TYPESCRIPTS، اور ان کے انگریزی تراجم کے ٹائپ شدہ TRANSCRIPTS، کے پیش کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں۔ (دیکھیے کتاب کا آخری حصہ)ان ریکارڈوں کے مطالعے سے جو حقائق منکشف ہوئے ہیں ان کا ایک مختصر خاکہ یہاں درج کیے دیتا ہوں۔

سب سے پہلے تو معلوم ہوا کہ محمد اقبال جب ۱۹ یا ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کو لندن سے روانہ ہوئے (اور یہ تاریخ عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" سے مستنبط ہوتی ہے) تو وہ سیدھے میونک پہنچے (نہ کہ ہائیڈل برگ)، اور وہاں پہنچتے ہی ۲۱۔ جولائی کو میونک یونیورسٹی میں انہوں نے درخواست داغ دی کہ انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے اپنا مقالہ بہ عنوان

"DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA" داخل کرنے کی اجازت دی جائے' (دیکھیے دستاویز نمبرا)۔اس درخواست میں انہوں نے "فلسفہ" بطور اپنے PRINCIPAL (یعنی اصل اور بڑے) مضمون ' اور "مشرقی (عربی) اور انگریزی PHILOLOGY (لسانیات) "بطور ذیلی یا فروعی مضامین کے' درج کیے' اور اگلے روز (بتاریخ ۲۲ر جولائی ۱۹۰۷ء) انہوں نے اس کے لیے ضروری فیس' یعنی دو سو ساٹھ جرمن مارک' بھی داخل دفتر کر دی ' یعنی آج کل کے حساب سے قریب چار ہزار روپے ' (دیکھیے دستاویز نمبر ۲)۔

اس کے بعد میونک یونیورسٹی کے مختلف پروفیسروں کے درمیان بڑی دلچسپ اور پُر از معلومات خط و کتابت یا شذرہ نویسی ہوتی رہی' جو اس فائل میں موجود ہے (دیکھیے متعلقہ صفحات کے عکوس' اور ان کے TRANSCRIPTS اور انگریزی تراجم)۔ سب سے پہلی تحریر پروفیسر ہومل کی ہے ' جن کا پورا نام PROFESSOR DR FRITZ HOMMEL ہے (نہ کہ FRIEDRICH HOMMEL ' جیسا کہ میں نے اپنی پہلی کتاب میں درج کیا ہے۔ اس غلط فہمی کا ازالہ جناب مارٹن شٹنز کی مدد سے ہوا' جنہوں نے مجھے حوالے کی ایک کتاب سے پروفیسر ہومل کے کوائف حیات دکھائے۔ وہ ۳۱ر جولائی ۱۸۵۴ء کو ANSBACH میں پیدا ہوئے' اور ۱۸۷۷ء سے انہوں نے میونک یونیورسٹی میں تعلیم دینی شروع کی۔ وہ ۱۸۹۴ء میں سامی زبانوں SEMITIC LANGUAGES کے استاد مقرر ہوئے' جبکہ ۱۸۸۵ء سے عہد نامۂ عتیق (OLD TESTAMENT) کی ریڈر شپ ان کے پاس تھی۔ ان کا انتقال ۱۷ر اپریل ۱۹۳۶ء کو ہوا)۔ پروفیسر ہومل نے یہ تحریر ۱۴ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو رقم کی تھی۔ دیکھیے دستاویز: نمبر۳ ۔ یاد رہے کہ انھی دنوں جناب اقبال ہائیڈل برگ میں چند ہفتے گزارنے کے بعد واپس میونک پہنچ چکے تھے۔ دیکھیے اقبال کا پہلا خط' مورخہ میونک ۱۹ر اکتوبر ۱۹۰۷ء بنام مس ایما ویگے ناسٹ۔ مندرجہ

"اقبال یورپ میں" صفحہ ۱۰۹)۔ اس وقت تک پروفیسر ہومل صاحب اقبال کا تھیسس پڑھ چکے تھے، اور ان سے اس کے بارے میں زبانی بات چیت بھی کرچکے تھے۔ اس نوٹ میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ: "جرمنی (بلکہ تمام یورپ) میں چند ہی ایسے عالم موجود ہیں جن کا میدان تحقیق عربی و عجمی فلسفہ ہے، کیونکہ زیادہ تر لوگ عربی زبان و ادب اور تاریخ پر کام کر رہے ہیں۔ اور خود میری SPECIALIZATION (یعنی خصوصی مہارت) بھی مشرق قریب کے مذاہب کے اندر ہے ------- چنانچہ میں تو زیادہ سے زیادہ اسی مسئلے پر رائے ظاہر کرسکتا ہوں کہ آیا اس مقالے میں زبان و بیان کی بنیادیں منطقی نہج پر استوار ہیں یا نہیں؟ چنانچہ میں اس تھیسس کے بالاستیعاب مطالعے اور پروفیسر اقبال کے ساتھ ذاتی گفت و شنید کے بعد پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ صاحب موصوف عربی اور فارسی زبانوں کے ایک نہایت عمدہ دانشور ہیں۔ اور مزید برآں میرے اس فیصلے کی تائید ایک ایسے شخص کی تحریر سے ہوتی ہے، جو اقبال کے استاد بھی رہ چکے ہیں، اور جنہوں نے نہ صرف اس مقالے کے تدریجی مراحل کو بذات خود دیکھ رکھا ہے، بلکہ جو اس تھیسس کی آخری شکل کو بھی ملاحظہ کرچکے ہیں، یعنی لندن یونیورسٹی کے موجودہ، اور ایک ہندوستانی یونیورسٹی کے سابقہ، استاد جناب پروفیسر آرنلڈ صاحب"۔

اس کے بعد پروفیسر ہومل نے پروفیسر آرنلڈ کے ایک خط، مورخہ لندن ۲ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو لفظ بلفظ نقل کردیا ہے، جس میں پروفیسر آرنلڈ نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جہاں تک انہیں علم ہے، یہ وہ پہلا مقالہ ہے جس میں "ایران قدیم کے فلسفیانہ خیالات کے مسلسل ارتقا کا ان اسلامی مآخذ کی مدد سے تجزیہ کیا گیا ہے جو اب تک باقی ہیں۔ چنانچہ اس تھیسس میں اسلامی فکر کے مختلف ادوار و جہات کے اس خاص انداز کی نشان دہی کی گئی ہے جو بالخصوص عجمی ہے۔ صاحبِ تحریر نے ایسے بہت سے مواد سے استفادہ کیا ہے جو پیش ازیں یا تو غیر مطبوعہ تھا، یا یورپ میں بہت

نامعلوم تھا۔ چنانچہ میری رائے میں یہ مقالہ تاریخ فکر اسلامی میں ایک بیش بہا اضافے کے مترادف ہے" (دستخط، ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ' استاد عربی، لندن یونیورسٹی۔)

اس نوٹ کے نیچے پروفیسر ہومل نے ایک پس تحریر کا اضافہ کیا ہے کہ میں اپنے رفیق کار کوہن (KUHN) صاحب کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں کہ امیدوار کا بطور اس کے بنیادی یا اصل (PRINCIPAL) مضمون کے' تاریخ فلسفہ میں آدھے گھنٹے کا زبانی امتحان لیا جائے۔ اور مزید نصف گھنٹے کے لیے نفسیات کے بجائے تاریخ مذاہب شرق کے مضمون کا امتحان لیا جائے' اور اس مضمون کے ممتحن میری نسبت میرے رفیق تدریس کوہن صاحب زیادہ موزوں رہیں گے۔ (یاد رہے کہ اقبال نے اپنا اصل مضمون "فلسفہ" لکھوایا تھا' اور ذیلی مضامین مشرقی (عربی) اور انگریزی لسانیات درج کیے تھے۔)

پروفیسر ہومل کے بعد یہ فائل پروفیسر ہرٹ لنگ (GEORG VON HERTLING) کے پاس پہنچی۔ جناب مارٹن شٹز (SCHÜTZ) نے بتایا کہ یہ ایک بڑی اہم شخصیت تھے۔ انہوں نے ہمیں پروفیسر ہرٹ لنگ کی خود نوشت سوانح عمری معنونہ ERINNERUNGEN AUS MEINEM LEBEN ("میری زندگی کی یادیں") دکھائی ۔ ان کا پورا نام اور لقب RITTMEISTER GEORG FRIEDRICH GRAF VON HERTLING تھا(یعنی وہ نواب تھے) ۔ وہ ۳۱ ر اگست ۱۸۴۳ء کو ڈارم شٹاٹ (DARMSTADT) میں پیدا ہوئے۔ اور ۴ ر جنوری ۱۹۱۹ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ۱۸۸۲ء میں وہ میونک یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ جہاں ان کا خصوصی میدان کیتھولک مذہب کی فلسفیانہ تحقیق تھی۔ وہ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۹۰ء اور پھر ۱۸۹۶ء سے ۱۹۱۲ء تک پارلیمنٹ کے ممبر رہے (CENTRE PARTY) ۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۷ء تک ان کا تقرر

ریاست بوریا کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے رہا (جس کا صدر مقام میونک ہے)' اور پھر ۱۹۱۷ء / ۱۹۱۸ء" میں وہ تمام جرمنی کے چانسلر (سربراہ REICHKANZLER i.e. CHANCELLOR OF THE REICH مملکت) بن گئے۔

پروفیسر فون ہرٹ لنگ اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں (دیکھیے دستاویز نمبر ۴):-

"میں نے پروفیسر اقبال کے مقالے کا دلچسپی کے ساتھ معائنہ کیا ہے۔ یہ تصنیف ایک ایسے شخص کی تصنیف نظر آتا ہے جو بڑی وسیع تعلیم کا مالک ہے۔ اور بس ان جملوں کے ساتھ جو کچھ کہ میں کہہ سکتا ہوں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (یہ اس لیے کہ) عربی اور فارسی لسانیات کے ساتھ میرا تعلق تو اس حد تک رہا ہے جہاں تک انہوں نے مغربی فلسفے کو متاثر کیا ہے' اور وہاں بھی میرا مَبلغِ علم صرف ازمنہ وسطیٰ کے لاطینی تراجم تک محدود رہا ہے۔ اس مقالے کے مصنف کی پیش کش جو زیادہ تر (مغرب میں) غیر مطبوعہ اصلی ماٰخذ پر منحصر ہے 'میرے سرمایۂ علم سے کہیں بیش تر ہے' اور اس سے نہ صرف ایک وسیع تر بلکہ ایک بسیار پہلو تصویر اجاگر ہوتی ہے۔ اس مقالے میں ابو سینا کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس پر بھی مندرجہ بالا الفاظ صادق آتے ہیں۔ لیکن میں اس مقالے کی سائنٹفک قدر و قیمت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا چونکہ میرے پاس اس کے بیانات کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور نہ میں اپنے ان شکوک کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکتا ہوں جو بعض مقامات پر میرے ذہن میں اٹھے ہیں' کہ آیا مصنف نے ان فلسفیوں کے خیالات درستی کے ساتھ پیش کیے ہیں یا نہیں جن کا اس نے اپنے مقالے میں جائزہ لیا ہے۔ بہر صورت' چونکہ

ہمارے سامنے ایک ماہرِ خصوصی کی رپورٹ موجود ہے جو امیدوار کے حق میں جاتی ہے، اس لیے میں اپنے رفیقِ تدریس (COLLEAGUE) ہومل کی اس تجویز کی تائید کرتا ہوں کہ مصنفِ مقالہ کو پی ایچ ڈی کے زبانی امتحان کے لیے پیش ہونے کی اجازت دی جائے۔ اس زبانی امتحان سے اس بات کا پتا بھی چلے گا کہ یونانی فلسفیوں کے افکار کے ساتھ مصنف کو کس حد تک آگاہی ہے کیونکہ تھیسس کے پڑھنے سے اس بات کا حتمی علم نہیں ہو سکتا، اگرچہ یونانی فلسفے پر اس مقالے میں کافی بحث کی گئی ہے۔۔زبانی امتحان کے بارے میں میرے رفیق کار پروفیسر ہومل نے جو طریقہ کار تجویز کیا ہے وہ بالکل معقول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ عام مروجہ دستور کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اور میرے خیال میں اس کے لیے فیکلٹی کو (ایک خاص) فیصلہ کرنا پڑے گا

دستخط

ہرٹلنگ HERTLING

اگلی تحریر پروفیسر لپس (PROFESSOR TH. LIPPS) کی ہے جن کا میدان فلسفہ تھا۔ یہ صاحب لکھتے ہیں (دیکھیے دستاویز نمبر۵)۔

"میں اس مقالے کے بارے میں اپنا کوئی ذاتی فیصلہ صادر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اپنے رفیق کار پروفیسر فون ہرٹلنگ کی موافقت میں میں بھی اپنے ساتھی ہومل کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں کہ امیدوار کو داخلے کی اجازت دی جائے۔ جہاں تک زبانی امتحان کا تعلق ہے تو پروفیسر ہومل (شاید ان کی مراد پروفیسر ہرٹلنگ سے ہے۔ درانی) کی تجویز کی مطابقت میں خود میری بھی یہی رائے ہے کہ فیکلٹی کو ایک خاص فیصلہ اس بارے میں کرنا ہو گا کہ امیدوار کا اصل یا بڑا (PRINCIPAL) مضمون کیا

قرار دیا جانا چاہیے :

(دستخط)

تھ - لپس TH. LIPPS

پھر آخری نوٹ پروفیسر کوہن (PROFESSOR E.KUHN) کا ہے' جو تاریخ مذاہبِ شرقی کے استاد تھے۔ وہ یوں رقم طراز ہیں (دیکھیے دستاویز نمبر۶)۔ :

"میں اپنے رفیقِ تدریس پروفیسر ہومل کی اس تجویز کے ساتھ بلا پس و پیش اتفاق کرتا ہوں کہ جناب اقبال کو اپنے مقالے کی بنیاد پر زبانی امتحان دینے کی اجازت دی جائے۔ یہ مقالہ یقیناً" بڑی احتیاط کے ساتھ اور عالمانہ طور سے مرتب کیا گیا ہے اور بدیہی طور پر ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ کیونکہ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک مشرقی شخص جس نے یورپ میں تعلیم پائی ہے ان مسائل کو کس طور سے دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ جہاں تک زرتشتی اور مانوی وغیرہ مذاہب کے بیان کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مقالے کے ابتدائی متعلقہ ابواب خاصے مختصر ہیں اس لیے مجھے ان پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے مصنف اپنے مقالے کو ان علمی حوالہ جات کی روشنی میں جن کا پروفیسر ہومل نے اضافہ کیا ہے اسے کسی حد تک مزید بہتر ضرور بنا سکتا ہے۔ چونکہ مصنفِ مقالہ دس نومبر تک انگلستان واپس پہنچنا چاہتا ہے (جہاں اقبال کو لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کی نیابت میں عربی زبان کے لیکچر دینا تھے - مزید تفصیل زیرِ ہذا آئے گی -- درانی) اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ وہ اپنے اصل (یا کلاں یا مہتر)(PRINCIPAL) مضمون کے طور سے مشرقی (بالخصوص عربی)لسانیات کا انتخاب کرے' اور فلسفے کو اپنا فروعی یا ذیلی (SUBSIDIARY) مضمون قرار دے۔ اور اس آخرالذکر مضمون کے

ممتحن جناب فون ہر ٹلنگ ہوں تو بہتر ہو گا۔ اس کے لیے فیکلٹی کے کسی مزید فیصلے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے"۔

(دستخط)

ای کوہن E. KUHN

مورخہ ہفتہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

پس تحریر: مجھے ابھی پتا چلا ہے کہ فیکلٹی کی ایک میٹنگ اگلے بدھ وار کو ہو رہی ہے' تو یہ اور بھی اچھا ہوا۔ (امضاء۔ EK' مورخہ ۲۷ر اکتوبر)

ان تمام تحریروں کے تتمے کے طور سے جناب VOLLMER نے مورخہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۷ء اس نوٹ کا اضافہ کیا ہے:

"جو اصحاب اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ امیدوار کو (زبانی امتحان میں) داخلے کی اجازت دی جائے' اور فیکلٹی کی میٹنگ میں مسئلے کا رسمی فیصلہ کیا جائے (یعنی اصل اور فروعی مضامین کیا ہوں۔ درانی) ۔ (وہ نیچے دستخط کریں)"

چنانچہ ان تحاریر و تجاویز پر صاد کرنے والے مزید بارہ پروفیسوں کے دستخط ان شذرات کے نیچے ثبت ہیں۔

میونک یونیورسٹی کے محافظ خانے کے عہدہ دار جناب مارٹن شُتز (MARTIN SCHÜTZ) نے میری درخواست پر فیکلٹی کے متعلقہ فیصلے کی نقل بھی مجھے مہیا کی ہے' جو مندرجہ ذیل ہے۔ (دیکھیے دستاویز نمبر ۷) ۔

فیکلٹی میٹنگ ۔ فیصلہ نمبر ۸

"جنابِ اقبال کے (زبانی) امتحان کا اصل یا بڑا مضمون مشرقی (عربی) لسانیات ہو گا' اور فلسفہ اور انگریزی لسانیات ان کے فروعی مضامین (SUBSIDIARY SUBJECTS) ہوں گے۔"

اقبال فائل کے بعض اندراجات

میونک یونیورسٹی میں محفوظ اقبال فائل کے آخری دو تین صفحات جناب اقبال کے سرٹیفیکیٹوں اور نتائج کے اعلان وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ لیکن چونکہ موجودہ مضمون کے ساتھ میں فائل کے اصل کاغذات کی فوٹو کاپی' اور تمام تحریروں کا جرمن TRANSCRIPT (ٹائپ شدہ متن) اور ان کے انگریزی تراجم بھی پیش کر رہا ہوں' اس لیے ان کا اردو ترجمہ درج کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ دلچسپ وہ دستاویز ہے جو PROTOKOLL یعنی امتحان کے نتیجے کا ریکارڈ ہے (دیکھیے دستاویز نمبر۸)۔ اس میں درج ہے کہ مورخہ ۴ نومبر ۱۹۰۷ء ' بروز پیر' سہ پہر کے پانچ بجے سینٹ کے میٹنگ روم میں جناب ایس ۔ ایم ۔ اقبال کا زبانی امتحان عمل میں آیا' جس میں مندرجہ ذیل پروفیسران' یعنی ہومل' اور 'لپس' اور شِک (SCHICK) ' اور کوہن' اور زیرِ دستخطی ڈین (DR H. BREYMANN) موجود تھے۔ (اور ان سب کے امضاؤہاں ثبت ہیں)۔

اس امتحان میں مندرجہ ذیل اصحاب نے بطور ممتحن حصہ لیا:

اصل یا بڑا مضمون (PRINCIPAL SUBJECT) ' مشرقی (بالخصوص' عربی) زبان و ادب (PHILOLOGY) ' پروفیسر ہومل (HOMMEL)۔

فرعی یا اضافی مضمون (SUBSIDIARY SUBJECT)'انگریزی زبان و ادب' (PHILOLOGY)' پروفیسر شِک (SCHICK)۔

فرعی یا اضافی مضمون ' فلسفہ۔۔۔۔۔۔ پروفیسر لپس (LIPPS)۔

امتحان کے بعد کی مشاورت کے نتیجے میں امیدوار کو مندرجہ ذیل درجات دیے گئے:

اصل مضمون (PRINCIPAL SUBJECT) میں درجۂ اول۔

اضافی مضمونِ اول (FIRST SUBSIDIARY SUBJECT) میں درجۂ

دوم۔

اضافی مضمونِ ثانی (SECOND SUBSIDIARY SUBJECT) میں درجہ سوم۔

ان سب کا مشترکہ نتیجہ: درجہ دوم۔

یہاں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ شیخ محمد اقبال کے نام جاری کردہ سند میں جو "مجموعی" (OVERALL) درجہ مندرج ہے وہ MAGNA CUM LAUDE (یعنی WITH GREAT PRAISE) ہے۔ اور میونک یونیورسٹی جیسی سربرآوردہ درسگاہ سے یہ درجہ حاصل کرنا بہت قابلِ تحسین ہے۔

ڈاکٹر بُوزاش سے ملاقات

اس کے علاوہ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس فائل کی دریافت کے اگلے روز، یعنی جمعہ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو راقم الحروف اور ڈاکٹر ہنس ماسٹ، میونک یونیورسٹی کی لائبریری کے سابقہ ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر بوزاش (DR L.BUZÁS) سے ان کے دولت کدے پر ملنے کے لیے گئے، اور میں نے ان کے ساتھ علامہ اقبال کی ڈگری کے بارے میں بات چیت کی۔ یاد رہے کہ یہ وہی ڈاکٹر بُوزاش ہیں جنہوں نے اکتوبر ۱۹۷۶ء میں پہلے پہل مجھے اس بات کی اطلاع دی تھی کہ علامہ کا میونک یونیورسٹی میں رکھا ہوا پی ایچ ڈی کا تھیسس چند سال قبل حکومت ہند کو "تحفتہً" دے دیا گیا تھا۔ اب وہ میونک یونیورسٹی لائبریری کے مہتمِ اعلیٰ کے عہدے سے ریٹائر ہوکر میونک کے ایک مضافاتی گاؤں (UNTERSCHLEISSHEIM) میں رہائش رکھتے ہیں، جہاں ۱۹۸۴ء کے موسم گرما میں بھی میں ان سے مل چکا تھا۔

انہوں نے علامہ اقبال کی ڈگری کے بارے میں کئی ایک دلچسپ باتیں کہیں۔

اولاً" یہ کہ اس پوری اقبال فائل کو ملاحظہ کرنے کے بعد (جس کی فوٹو کاپی میں نے انہیں دکھائی) ڈاکٹر بوزاش نے اس رائے کا اظہار کیا کہ یہ تمام کارروایاں اور اقدامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ میونک یونیورسٹی کے پروفیسروں ٰور کار پردازوں کو علامہ اقبال کی علمیت و دانشوری' اور نیز کیمبرج یونیورسٹی اور پروفیسر طامس آرنلڈ کے مقام' کا کس درجہ احترام و اعتبار ملحوظ تھا۔ یعنی دریں صورت کہ ان کے پاس جناب اقبال کے اصل مضمون یعنی عجمی فلسفے کے ساتھ واقفیت رکھنے والا کوئی پروفیسر تھا ہی نہیں تو بجائے یہ کہنے کے کہ جناب آپ کسی اور یونیورسٹی میں جا کر قسمت آزمائی کر لیجیے' دیکھیے کیسے انہوں نے اقبال کے تھیسس داخل کرنے کی درخواست منظور کرکے کسی نہ کسی طرح ان کا زبانی امتحان رکھوا ہی دیا (یعنی جب کوئی عجمی فلسفے کا ماہر نہ ملا تو عربی اور انگریزی لسانیات کے ماہرین ہی کو بطور ممتحن لگا دیا)۔ ڈاکٹر بوزاش نے کہا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ ساری کارروائی' اور زبانی امتحان کے مضامین کا ایک خاص نہج سے انتخاب' اس لیے کیا گیا کہ یونیورسٹی میں جو ماہرین بھی موجود ہیں' انہی سے کام لے لیا جائے۔

دوسری بات ڈاکٹر بوزاش نے یہ کہی کہ ایسے ایسے نام ور پروفیسروں ' یعنی پروفیسر ہومل اور پروفیسر شک (SCHICK) کا اقبال کو عربی اور انگریزی لسانیات میں درجہ ہائے اول و دوم عطا کرنا بجا طور پر قابلِ ستائش ہے۔ رہا فلسفے کے مضمون کا نتیجہ' تو اس کی میرے (یعنی ڈاکٹر بوزاش کے) خیال میں وجہ یہ ہے کہ چونکہ کوئی متعلقہ ماہر ہی موجود نہ تھا' اس لیے انہوں نے احتیاطاً" اقبال کو فرو تر درجہ عطا کیا تاکہ بعد کو کوئی اس سند (اور اس مضمون کے درجے) پر اعتراض نہ اٹھا سکے (یعنی اس کو چیلنج نہ کر سکے)۔ اور خود راقم الحروف کا بھی یہی خیال ہے کہ فلسفۂ عجم میں شیخ محمد اقبال کو درجہ سوم کے دیے جانے سے حضرت علامہ اور ان کے تبحّر و علمیّت پر

کوئی حرف نہیں آتا۔ بلکہ یہ امر اس زمانے میں میونک یونیورسٹی کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ اور مظہر ہے، جس کا پورا ثبوت خود اسی فائل میں موجود ہے۔ اور یوں بھی کسی مسلمہ نابغۂ روزگار (یعنی GENIUS) کو ایک رسمی امتحان میں جو بھی درجہ ملے، اس کی دنیا میں قطعاً" کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اور اس کی ایک معروف مثال حکیم آئین سٹائین ہیں، جو زیورک یونیورسٹی کے ریاضی کے امتحان میں فیل ہو گئے تھے، اور جنھوں نے بعد ازاں اپنے نظریۂ اضافیت (THEORY OF RELATIVITY) کی مدد سے تمام سائنس کی کایا پلٹ کر دی۔ بقول علامہ اقبال ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے، کہ گہر سے؟

اس شام (جمعہ، ۱۶ - اکتوبر ۱۹۸۷ء) میں نے ڈاکٹر بُوزاش سے چند اور استفسارات بھی کیے۔ مثلاً" یہ کہ آیا جناب اقبال کو اپنا تھیسس انگریزی زبان میں پیش کرنے کے لیے خاص اجازت لینی پڑی ہوگی۔ ڈاکٹر بُوزاش نے کہا کہ نہیں۔ اس بات کے لیے خاص اجازت ضروری نہ ہوا کرتی تھی (اور اب تو اس کا معمول اور بھی بڑھ گیا ہے)۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ ۱۸۰۳ء سے پیشتر پی ایچ ڈی کا تھیسس لاطینی زبان میں لکھ کر داخل کرنا لازم تھا (اور جرمن زبان میں لکھنے کے لیے خاص اجازت کی ضرورت ہوا کرتی تھی)۔ کہنے لگے کہ خود میں نے اپنا تھیسس جرمن زبان میں لکھ کر ایک ہنگیرین یونیورسٹی میں (دوسری جنگ عظیم کے دوران) داخل کیا تھا۔ (یاد رہے کہ وہ ہنگیرئین نژاد ہیں)۔ ہاں، باتوں باتوں میں انھوں نے کہا کہ علامہ اقبال ہی کی طرح، ان کے تھیسس کے ساتھ بھی ان کے ممتحنوں نے بڑا لحاظ کیا تھا۔ وہ یوں کہ جنگ کی وجہ سے ان کی اصلی یونیورسٹی (FÜNFKIRCHEN) ایک اور یونیورسٹی کے ساتھ مدغم کر دی گئی تھی۔ چنانچہ بُوزاش صاحب اپنے تھیسس کا ایک ڈرافٹ (ہیئتِ نخستیں) ہی داخل کر سکے، اور ان کا زبانی امتحان بھی بڑی روا روی میں اور خاصا

غیر رسمی سا ہی رہا۔ بقول ان کے اگر کسی یونیورسٹی یا فیکلٹی کی نظر میں ڈگری کے کسی امیدوار کی قابلیت مسلّم ہوتی تھی، تو وہ اپنے قواعد میں لچک پیدا کر لیتے تھے۔ (چنانچہ علامہ کا، اور بُوزاش صاحب کا معاملہ اس لحاظ سے یکساں ہی تھا)۔

ایک اور بات جو میں نے بُوزاش صاحب سے پوچھی وہ یہ تھی کہ اقبال کے (مطبوعہ) مقالے کی اس ہیئت (VERSION) میں جو میونک یونیورسٹی میں داخل کیا گیا (۔۔۔۔۔ جسے میں نے اپنی کتاب "اقبال یورپ میں" میں "نسخۂ مار برگ" کا نام دیا ہے، اور جو میں نے اس شام بُوزاش صاحب کو دکھایا)، اس کے صفحۂ عنوان پر جو عبارت درج ہے، اس پر ذرا روشنی ڈالیے۔ یعنی وہاں جو یہ لکھا ہے کہ افتتاحی مقالہ (INAUGURAL DISSERTATION) (برائے) کُلیۂ فلسفہ، سیکشن اول (یا دوم)

(PHILOSOPHISCHEN FAKULTÄT SEKT I (RESP II)

تو اس میں "سیکشن اول (یا دوم)" کہنے سے کیا مراد ہے؟ ڈاکٹر بوزاش نے جواب دیا کہ یہ یونیورسٹی کی رجسٹری کے کسی عہدہ دار کے تساہل یا نا اہلی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، جس نے بجائے یہ دیکھنے کے کہ مقالے کا موضوع کون سے سیکشن سے مطابقت رکھتا ہے، احتیاطاً" دونوں کا نام درج کر دیا! (پس تحریر: مضمون کی نظر ثانی کے دوران میں نے "میونک فائل" کے صفحات کا غور سے جائزہ لیا، تو نظر آیا کہ اقبال کی اولین درخواست، مورخہ میونک ۲۱ جولائی ۱۹۰۷ء میں صاف درج ہے کہ یہ کُلیۂ فلسفہ کے سیکشن اول کی طرف سے جاری کی گئی ہے۔ اسی طرح ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کے روز میونک یونیورسٹی کے "شاہی کُلیۂ فلسفہ" کے ایکٹنگ (ACTING) ڈین ۔ (فی الوقت = z. Z.= ZUR ZEIT) ڈاکٹر ایچ ۔ برے من (DR H. BREYMANN) نے اقبال کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کرنے کے لیے شاہی یونیورسٹی (میونک) کے چانسلر کو جو سفارش بھیجی ہے، اس پر بھی بہ وضاحت سیکشن اول کی تین مرتبہ تصریح کی گئی ہے (دیکھیے دستاویز نمبر ۹) ۔ چنانچہ نسخۂ ماربرگ کے صفحۂ عنوان کی عبارت واقعی کسی

مخص کی نا اہلی یا غیر ذمہ داری کا ثبوت معلوم ہوتی ہے' نہ کہ چند روز ہوئے پراگ میں جناب یان ماریک (JAN MAREK) کے اس خیال کی تصدیق کہ شاید اقبال کے اس مقالے کا موضوع قسمت ہائے اول و دوم کے بین بین رہا ہو' جس کی وجہ سے متعلقہ اہل کار نے احتیاطاً" دونوں کا نام لکھ دیا۔ واضح رہے کہ جناب ماریک کی ذاتی لائبریری میں اقبال کے اس مقالے کی اسی ہیئت ("نسخۂ ماربرگ") کی ایک کاپی موجود ہے' جو انہوں نے زمانۂ طالبِ علمی میں' یعنی ۱۹۵۸ء سے قبل' پراگ کے کسی پرانی کتابوں کے تاجر سے خریدی تھی (یہ کاپی انہوں نے مجھے دکھائی)۔ اور اسی کے دیباچے میں درج اقبال کے کوائف حیات کی روشنی میں انہوں نے اپنا وہ معروف مضمون تحریر کیا تھا معنونہ
THE DATE OF MUHAMMAD IQBAL'S BIRTH
مطبوعہ ARCHIV ORIENTALNI ' جلد ۲۶ ۔ سنہ اشاعت ۱۹۵۸ء' ص ۶۱۷ تا ۶۲۰ جس کا میں نے حال ہی میں (پراگ ' ۱۳ اگست ۱۹۹۰ء) ترجمہ کیا ہے۔ دیکھیے موجودہ کتاب کا ضمیمہ نمبر ا۔

اس کے بعد میں نے بوزاش صاحب سے یہ بھی پوچھا کہ اقبال کا پی ایچ ڈی کا زبانی امتحان کونسی زبان میں ہوا ہو گا ' انگریزی یا جرمن؟ انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی پروفیسر (ان دنوں بھی) عموماً" انگریزی جانتے تھے۔ مزید برآں' پروفیسر شِک (SCHICK) بالخصوص انگریزی زبان کے ماہر تھے' اور غالباً" اسی لیے انہیں ممتحنوں کے بورڈ میں شامل کیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا' کیا اقبال کی جرمن زبان دانی کا امتحان بھی ہوا ہو گا ؟ کہنے لگے کوئی ضروری نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ (اگرچہ اور ذرائع ' مثلاً" عطیہ فیضی ' سے یہ روایت ہے کہ زبانی امتحان ہی کی خاطر اقبال ہائیڈل برگ اور لندن میں جرمن زبان سیکھ رہے تھے ۔ درانی)۔ آخر میں ' میں نے یہ سوال کیا کہ یہ کہاں تک رائج یا جائز تھا کہ (کم و بیش) ایک ہی تھیسس پر دو ڈگریاں لی جائیں (یعنی

کیمبرج سے بی اے' اور میونک سے پی ایچ ڈی)۔ ڈاکٹر بوزاش نے جواب دیا کہ تاوقتیکہ کسی تھیسس پر دی گئی پہلی ڈگری اس ڈگری سے کم تر (LOWER) ہو جس کے لیے یہ تھیسس بعد ازاں داخل کیا گیا' تو اس بات پر قطعاً" کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اس مقالے کو اس دوسری' بلند تر (HIGHER)' ڈگری کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا اور کافی ثابت ہونا پڑتا تھا۔ جواز صرف اس صورت میں طلب کیا جاتا تھا کہ اگر دو برابر کی ڈگریوں کے لیے (دو مختلف یونیورسٹیوں میں) ایک ہی مقالہ پیش کیا جاتا۔

اقبال کے ممتحنوں کی بات ہوئی تو ڈاکٹر بوزاش نے کہا کہ ڈاکٹر کوہن (E.KUHN) سنسکرت زبان کے ماہر تھے۔ جب میں میونک پہنچا (یعنی ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخر کے لگ بھگ)' تو ان کا تو کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن ان دنوں پروفیسر کوہن کے ایک پرانے شاگرد وہاں ہوا کرتے تھے۔ یہ بھی اب کافی سن رسیدہ ہو چکے تھے' اور ان کی لمبی سی سفید ڈاڑھی تھی۔ یہ حضرت زمانۂ طالب علمی میں پروفیسر کوہن کے لیکچروں کی تیاری وغیرہ میں مدد دیتے تھے اور لائبریری اسسٹنٹ کے طور سے بھی کام کرتے تھے' اور میری آمد کے وقت بھی وہ لائبریری کا کام کر رہے تھے۔ جہاں تک پروفیسر لپس (THEODOR LIPPS)' (زمانۂ حیات ۲۸ ر جولائی ۱۸۵۱ء تا ۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۴ء) کا تعلق ہے' تو وہ فلاسفر تھے' لیکن وہ اپنے فلسفے (مثلاً" اخلاقیات و مابعدالطبیعیات (METAPHYSICS اور ETHICS) کو نفسیات (PSYCHOLOGY) کی بنیادوں پر استوار کرتے تھے۔ اور اقبال کے ایک ممتحن کی حیثیت سے ان کا انتخاب بطور ایک ماہر فلسفہ ہی ہوا تھا۔

آرنلڈ کے نام اقبال کے تین غیر مطبوعہ خط

علامہ اقبال کے میونک یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے حصول کے کوائف کا

بیان ختم کرنے سے پہلے دو مزید باتوں کے اضافے کی اجازت چاہتا ہوں ' جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

پہلی بات کا تعلق اقبال کے دو غیر مطبوعہ خطوط سے ہے' جو انہوں نے میونک سے پروفیسر آرنلڈ کو بھیجے تھے' اور جو اس کتاب کے ذریعے پہلی مرتبہ منظر عام پر لائے جا رہے ہیں۔ یہ دونوں خطوط در اصل دو پوسٹ کارڈ ہیں جو سر طامس آرنلڈ کے بڑے نواسے جناب آرنلڈ بارفیلڈ کے پاس محفوظ رہے ہیں' اقبال اکیڈیمی یو۔ کے کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "سر طامس آرنلڈ ڈے" بتاریخ ہفتہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۸ء کے موقع پر ہم لوگوں نے سر طامس کے باقیات کی جو نمائش مرتب کی تھی اس میں یہ پوسٹ کارڈ شامل تھے۔ ان پوسٹ کارڈوں کے عکوس میرے دوست جناب لارنس بار فیلڈ نے مجھے عطا کیے ہیں' اور ان کی اجازت سے میں انہیں یہاں بکمال مسرت شائع کر رہا ہوں۔ یہ دونو پوسٹ کارڈ' جو اقبال نے میونک سے پروفیسر آرنلڈ کو لکھے تھے' اقبال اور سر طامس کے باہمی تعلقات کی توضیح اور تصویر کشی میں ایک خاصا اہم اضافہ ہیں۔ ڈاکٹر لارنس بار فیلڈ نے مجھے بتایا کہ در اصل ان خطوط کے محفوظ رہ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بڑے بھائی' یعنی سر طامس کے نواسے آرنلڈ بار فیلڈ' بچپن میں پرانے پوسٹ کارڈ (اور بیرونی ممالک کی ڈاک کی ٹکٹیں) ایک ہوبی (یعنی ذاتی شوق) کے طور سے جمع کیا کرتے تھے۔ اب میری اور لارنس کی دلچسپی کے پیش نظر اس مجموعے کی چھان بین کرنے پر آرنلڈ بار فیلڈ نے اقبال کے ان دو تازہ پوسٹ کارڈوں کا کھوج نکالا ہے۔ ان خطوط سے اواخر ۱۹۰۷ء میں اقبال کی میونک میں سرگرمیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

جیسا کہ اس مضمون میں اوپر ذکر ہوا' اور دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہے۔ مثلاً" ملاحظہ ہو اقبال کا خط بنام مس ایما ویگے ناسٹ' مورخہ لندن ' ۲۔ دسمبر ۱۹۰۷ء ' جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "..... میرا خیال تھا کہ میں ہائیل برون

(HEILBRONN) کے رستے سفر کرسکوں گا، لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔ میرے لیے یہ قطعی لازم تھا کہ میں پانچ نومبر کو لندن میں ہوں۔ پروفیسر آرنلڈ مصر گئے ہیں، اور میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوا ہوں ..."

اقبال کو پروفیسر آرنلڈ کی نیابت میں یونیورسٹی کالج لندن میں چند ماہ کے لیے لیکچر دینے تھے۔ (پس تحریر مورخہ پراگ، ۴ر اگست ۱۹۹۰ء: حال ہی میں ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ نے میری درخواست پر اپنے خاندانی مجموعۂ خطوط کو کھنگالنے کے بعد مجھے اطلاع دی ہے کہ پروفیسر آرنلڈ نے مصر سے اپنی بیگم کے نام آخری خط جنوری ۱۹۰۸ء کے اواخر میں لکھا، اور اپنی عنقریب واپسی کی اطلاع دی۔ یوں علامہ کی نیابت تقریباً" صرف تین ماہ پر حاوی رہی۔ یعنی اوائل نومبر ۱۹۰۷ء تا اواخر جنوری یا آغاز فروری ۱۹۰۸ء) ۔ موجودہ مضمون میں پروفیسر کوہن (KUHN) کے اس نوٹ کا ذکر ہوچکا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "... مصنف مقالہ دس نومبر تک انگلستان واپس پہنچنا چاہتا ہے ...."۔ تو ان سب بیانات کی مندرجہ ذیل پوسٹ کارڈوں سے تصدیق ہوتی ہے۔

پہلا پوسٹ کارڈ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کو میونک سے بتاریخ ۳۱۔ اکتوبر بھیجا۔ (اور یہ ۲ نومبر ۱۹۰۷ء کو لندن پہنچا۔) اس میں وہ لکھتے ہیں: "مقالہ منظور ہو چکا ہے۔ زبانی امتحان عنقریب ہی ہو گا۔ میں دس نومبر سے پیشتر لندن پہنچنے کی توقع رکھتا ہوں۔ چنانچہ اس معاملے میں تشویش مت کیجئے۔" (دیکھیے دستاویز نمبر۱۶)

دوسرا پوسٹ کارڈ میونک سے ۳ ۔ نومبر ۱۹۰۷ء کو لکھا گیا (اور اگرچہ اس کارڈ کی ٹکٹ سرطامس کے نواسے نے اتار لی ہے تاہم یہ تاریخ پڑھی جا سکتی ہے ۔) یہ چھ نومبر ۱۹۰۷ء کو لندن میں موصول ہوا۔ اس میں اقبال لکھتے ہیں: "خط کے لیے شکریہ۔ میں ۷ ۔ نومبر کی صبح کو لندن پہنچ رہا ہوں (دیکھیے دستاویز نمبر۱۱)۔ اور امید کرتا ہوں کہ اسی روز آپ سے دفتر میں ملاقات کروں گا ۔ (آپ کو) تشویش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (کیونکہ) میں نے (میونک) یونیورسٹی سے (اپنے نتیجے کی؟) خبر ملنے

سے پہلے (ہی) چل پڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔"

یہ دونو پوسٹ کارڈ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ ایسکوائر کو انڈیا آفس لائبریری لندن کے پتے پر بھیجے گئے ہیں، جہاں پروفیسر آرنلڈ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۷ء تک بطور نائب لائبریرین متعین تھے۔

اب چونکہ میں یہ دو پوسٹ کارڈ شائع کر ہی رہا ہوں، تو لگے ہاتھوں ایک تیسرے پوسٹ کارڈ کا عکس بھی یہاں شامل کردینا شاید نا مناسب نہ ہو اگرچہ اس کا میونک یونیورسٹی اور اقبال کی پی ایچ ڈی ڈگری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ پوسٹ کارڈ بھی جناب آرنلڈ بار فیلڈ کے اسی مجموعے میں شامل ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا، اور یہ کارڈ بھی "سر طامس آرنلڈ ڈے" والی نمائش میں شامل تھا۔ یہ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کو کیمبرج سے لکھا تھا، اور اس پر "کیمبرج ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء " کی مہر ثبت ہے۔ اس کارڈ کا پیغام بہت مختصر ہے۔ اور اس کے سیاق و سباق کا راقم الحروف (درانی) کو علم نہیں ہے۔ پیغام صرف اتنا ہے کہ "براہِ کرم اپنے (یعنی اپنی خیریت کے) بارے میں ایک سطر مجھے لکھ دیجیے" ۔ یہ پوسٹ کارڈ بھی آرنلڈ صاحب کو انڈیا آفس لائبریری کے پتے پر بھیجا گیا تھا۔ دیکھیے دستاویز نمبر ۱۲۔

یہ تینوں پوسٹ کارڈ مصور ہیں۔ جیسا کہ ان دنوں یورپ میں دستور تھا (اور اب بھی ہے)، کہ مختصر پیغام رسانی اور بیرونی ممالک کے دوروں یا چھٹیاں منانے کے دوران علیک سلیک، کے لیے استعمال ہو سکیں۔ ان کارڈوں کے تصویری رخ کے عکس بھی اس مضمون کے ساتھ شامل ہیں۔

چند نئے حقائق بہ سلسلۂ تاریخِ ولادتِ اقبال

دوسری بات جس کا میں نے اوپر ذکر کیا، اس کا تعلق علامہ اقبال کی تاریخ ولادت سے ہے، جو کہ ایک متنازع فیہ موضوع ہے لیکن چوں کہ اس کی پوری تفصیل

میری کتاب "اقبال یورپ میں" کے پہلے دو ابواب میں موجود ہے۔ اس لیے اس کا مفصل ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔

مجملاً" یہاں یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ خود علامہ نے مختلف جگہوں پر مختلف تاریخ ہائے پیدائش درج کی ہیں۔ مثلاً" ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ میں انہوں نے (اکتوبر ۱۹۰۵ء میں) اپنے ہاتھ سے اپنی تاریخ ولادت "۔ محرم ۱۸۷۶ء" درج کی ہے۔ اور میونک یونیورسٹی والے تھیسس (DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA) کے آغاز میں جو کوائفِ حیات (LEBENSLAUF) انہوں نے تحریر کیے ہیں' ان میں وہ کہتے ہیں کہ میں ۳۔ ذی قعد ۱۲۹۴ھ (مطابق ۱۸۷۶ء) کو پیدا ہوا تھا۔

(چنانچہ بعد ازاں) چیکوسلواکی اقبال شناس یان ماریک (JAN MAREK) کی اس تصحیح کی روشنی میں کہ ذی قعد ۱۲۹۴ھ در اصل ۱۸۷۷ء میں پڑتا ہے' حکومت پاکستان نے ہجری تاریخ کو صحیح مانتے ہوئے سرکاری طور پر علامہ اقبال کا یوم ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء قرار دیا ہے 'جو ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ کے برابر ہے)۔

تو اس موقعے پر شاید مندرجہ ذیل دو حقائق کا بیان بے محل نہ ہو جو میں نے اکتوبر ۱۹۸۷ء کے دورہ میونک کے دوران دریافت کیے

پہلا انکشاف یہ تھا کہ جب ڈاکٹر ہنس ماسٹ (DR HANS MAST) ـــــ میرے پارینہ طالب علم جو اس تحقیقات میں میری معاونت کر رہے تھے ـــــ اور مَیں اگلے روز یعنی جمعہ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو دوبارہ میونک یونیورسٹی لائبریری میں گئے تو وہاں مختلف کاغذات کی تلاش کے دوران مجھے مندرجہ ذیل کتاب میں ایک دلچسپ (اور اہم) اقتباس نظر آیا ۔ کتاب کا نام ہے :

- VERZEICHNIS DER AN DEN DEUTSCHEN UNIVERSITATEN

JAHRES

ERSCHIENENEN SCHRIFTEN

XXIII

15 AUGUST 1907 BIS 14 AUGUST 1908

BERLIN

VERLAG VON BEHREND & CO

1909

یعنی سالانہ ریکارڈ۔ جرمن یونیورسٹیوں میں شائع ہونے والے مقالات جزو ۲۳۔
بابت ۱۵ اگست ۱۹۰۷ء تا ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء (مطبوعہ) برلن۔ فون بہرند اور کمپنی، ناشران
۔ ۱۹۰۹ء)۔ اس کتاب کے صفحہ ۵۴۴ پر اندراج نمبر ۲۰۸ یوں ہے

IQBAL

S(HEIKH) M(UHAMMAD). M.A. (ASSIST. PROFESSOR

AN DER UNIVERSITÄT LAHORE, INDIEN

(یعنی لاہور یونیورسٹی، ہندوستان میں)

THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA

LONDON:LUZAC

CO. 1908 (XII 195 S (صفحات) 8°(OCTAVO:یعنی کتاب کا سائز)

PHIL. FAK(کلیۃ الفلسفہ، میونک) REF (ERENT) HOMMEL

MÜNCHEN

(مشیر (پروفیسر) ہومل) DISSERTATION VON 4 NOV 1907

(GEB.(مولود) 9 NOV. 77 SIALKOT (PROV. PUNJAB

STAATSANGEH (ÖRIGER): BRITISCH INDIEN)

LAHORE

("جائے رہائش" یا سکنہ) VORBILDUNG : WOHNORT (شہریت : برٹش انڈین)

GYMN (ASIUM) SIALKOT REIFE MAI 93

(ابتدائی تعلیم : (اعلیٰ) مدرسہ سیالکوٹ' (تا) میٹریکیولیشن : مئی 93ء۔

STUDIUM (اعلیٰ تعلیم) : PUNJAB UNIV. SCOTCH MISSION

COLLEGE SIALKOT, LAHORE GOV. COLLEGE B. A. 97

M.A. 98 (کذا); RIG(OROSUM) (زبانی امتحان) 4 NOV 07

اس اندراج سے ــــــــ جو یاد رہے کہ ایک ۱۹۰۹ء کی مطبوعہ کتاب میں ثبت ہے ــــــ اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اسی زمانے میں ان کار پردازوں نے جو ایسے ریکارڈ تیار کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس بات کا احساس کرلیا تھا کہ جناب اقبال نے اپنے تحقیقی مقالے کے "کوائفِ حیات" میں جو تاریخیں درج کی تھیں (اور ظاہر ہے کہ اوپر کے حوالے میں مندرج بیشتر حقائق اقبال کے مقالے کے دیباچے ہی سے' اور شاید انہی کے مہیا کیے ہوئے دیگر سرٹیفکیٹوں سے' اخذ کیے گئے ہیں) وہ ایک دوسرے سے تطابق نہیں رکھتیں۔ چنانچہ ان کار پردازوں نے ہجری تاریخ کو صحیح مانتے ہوئے (کہ یہ زیادہ مفصل تھی) اس سے مطابقت رکھنے والی عیسوی تاریخ (یعنی ۹ نومبر ۱۸۷۷ء) کو اقبال کی تاریخ پیدائش کے طور پر اپنے ریکارڈ میں درج کرلیا۔ (خود اقبال نے اپنے دیباچے میں عیسوی تاریخ نہیں دی' بلکہ صرف ۱۸۷۶ء کا ذکر کیا ہے۔) اگر ہم اس توجہ طلب حقیقت پر غور کریں تو یہ دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چیکوسلواکی اقبال شناس یان ماریک نے اپنے مقالے

THE DATE OF MUHAMMAD IQBAL'S BIRTH

(مطبوعہ ARCHIV ORIENTALNI ' جلد ۲۶ -- (پراگ) ۱۹۵۸ء ص ۶۲۱ - ۶۳۰

اور دیکھیے کتاب کا ضمیمہ نمبرا۔

میں جس مسئلے کی نشان دہی کی تھی (یعنی یہ کہ اقبال کے تحقیقی مقالے کے دیباچے میں، یعنی LEBENSLAUF (کوائف حیات) میں درج ہجری اور عیسوی تاریخیں مطابقت نہیں رکھتیں، چنانچہ ہجری تاریخ کو صحیح مانتے ہوئے ان کا یوم ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہونا چاہیے) تو اس مسئلے کی طرف مسٹر ماریک کی توجہ اسی کتاب کے اندراج کے ذریعے منعطف ہوئی تھی (جو میں نے اوپر نقل کیا ہے) یا نہیں؟ ۲۔

میونک میں اقبال کی قیام گاہ: مزید معلومات

بہر صورت، اسی سلسلۂ تحقیق کی ایک اور کڑی کے طور سے مندرجہ ذیل داستان بھی سن لیجئے، جس کا میں نے اوپر "دو حقائق" یا "انکشافات" کے تحت ذکر کیا ہے۔

تو وہ یوں ہے کہ جب میں نے پہلے پہل ایما ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط کا ترجمہ "افکار" کراچی (بابت مئی ۱۹۸۳ء) میں شائع کیا ۳۔ تو ان سے یہ بات منظر عام پر آئی کہ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں اقبال میونک شہر میں 41 SCHELLING STRASSE کے پتے پر قیام پذیر تھے۔ (دیکھیے اقبال کے خطوط نمبر ۱ تا ۳ مورخہ ۱۶ و ۲۳ و ۲۷، اکتوبر ۱۹۰۷ء) چنانچہ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں، اور اپنے ایک اور مضمون "اقبال —— ہائیڈل برگ، ہائیل برون، میونک" (مطبوعہ "افکار" کراچی، ۱۹۸۸ء و ۱۹۸۹ء) میں بیان کیا ہے، میں ستمبر ۱۹۸۴ء سے علامہ کی میونک میں جائے قیام کے بارے میں مکمل تفصیلات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ (یاد رہے کہ آج کل اس پرانے مکان کی جگہ، جو دوسری جنگ عظیم میں تباہ ہوگیا تھا، یا اس کے بعد منہدم کردیا گیا تھا، جرمنی کے رسوائے زمانہ نَو فسطائی یا نَوناتسی (NEONAZI) اشاعتی ادارے AXEL-SPRINGER VERLAG کے دفاتر قائم ہیں۔) تو خزاں ۱۹۸۷ء میں میرے قیام میونک کے آخری روز (یعنی بروز شنبہ ۱۷، اکتوبر) ڈاکٹر ہنس ماسٹ اور میں میونک شہر کے بلدیاتی حفاظت خانے

(STADTARCHIV) کا کھوج لگاتے ہوئے وہاں جا پہنچے ۔ (یہ نمبر 68 - WINZERSTRASSE میونک ۴۰ میں واقع ہے۔) لیکن جب ہم وہاں وارد ہوئے تو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ یہ ساری عمارت چند مہینوں کے لیے مرمت کے واسطے عام پبلک کے لیے بند تھی۔ ہفتے میں صرف دو روز چند گھنٹوں کے لیے یہ عام کاروبار کے لیے کھلتی تھی (اور ان مقررہ دنوں میں آج یعنی شبے کا روز' شامل نہیں تھا)۔ بہر صورت کسی نہ کسی طرح ہمیں اندر داخل ہونے کی خاص اجازت دے دی گئی (جس میں بڑا ہاتھ ڈاکٹر ماسٹ کے اس بیان کا تھا کہ "پروفیسر ڈاکٹر ڈاکٹر* (بہ تکرار !) ایس اے ۔ درانی' جو اقبال اکیڈمی (یو کے) کے صدر نشین ہیں' حکیم مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال پر خصوصی تحقیق کے لیے خاص طور سے میونک تشریف لائے ہیں' اور آج یہاں ان کے قیام کا یہ آخری دن ہے۔ یہ بلدیہ میونک کی انتہائی کرم فرمائی ہوگی اگر علامہ کی ۱۹۰۷ء والی قیام گاہ کے کچھ کوائف وہ ہمیں مہیا کر سکیں۔") ۔ اب یہ میونک میں علامہ کے نام کی دھوم کی بہت بڑی شہادت (اور میری بڑی خوش نصیبی) ہے' کہ اس حفاظت خانے (ARCHIVES) کے سر رشتہ کار' جناب ہیکر (HERR HANS-JOACHIM HECKER) ' علامہ کے نام اور شہرت سے پوری طرح واقف تھے' بلکہ انہوں نے فوراً بتایا کہ فلاں چوک میں علامہ اقبال کا ایک "یادگاری پتھر" ایستادہ ہے' اور ایک کتاب میں سے اس GEDENKSTEIN (یادگاری "لاٹھ") کی ایک تصویر بھی دکھائی جس میں ان کے متعلق تعارفی یا انتسابی تحریر بھی درج تھی (اس سہ پہر کو ہم نے اس لاٹھ کی چند تصویریں خود بھی اس چوک HABSBURGER PLATZ میں جا کر اتاریں)۔

قصہ مختصر یہ کہ ہیکر صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ بذات خود اس مسئلے پر پوری توجہ مبذول کر کے علامہ کی پرانی قیامگاہ کی بابت جو تفاصیل بھی میسر آ سکیں وہ حاصل کر کے جلد از جلد مجھے روانہ کر دیں گے۔ میں نے اپنا پتا انہیں تحریر کرا دیا اور ان کا

☆ یہ لقب جرمنی میں .D.Sc کا مترادف ہے۔ (دُرّانی۔۲۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

شکریہ ادا کر کے ہم ان سے رخصت ہوئے۔

جرمن انتظامیہ کے افسروں کی مستعدی اور فرض شناسی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس ملاقات کے گیارہ روز بعد انہوں نے (بتاریخ ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۸۷ء) مجھے برمنگھم کے پتے پر ایک خط لکھا' جس میں نمبر۱۴۱ ۔ شیلنگ سڑابے کے بارے میں کچھ تفاصیل بیان کرنے کے علاوہ (مثلاً" یہ کہ اس زمانے میں یہ مکان ایک صنعتی بیوپاری HERR EDUARD HARTING کی ملکیت میں تھا) انہوں نے اس کے ساتھ اس فارم کی ایک فوٹو کاپی بھی منسلک کردی جس میں اکتوبر ۱۹۰۷ء میں جناب اقبال کے چند روزہ قیام (از ۵ا۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء) کا اندراج (ENTRY) کیا گیا تھا ـــــ اور جرمن قوم کی تنظیمی صلاحیتوں پر بھی آدمی اَش اَش کر اٹھتا ہے کہ اسی سال بعد ایسا رجسٹر اب تک موجود ہے اور اس کا کھوج اتنی آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ اور وہ بھی دو جنگ ہائے عظیم کے بعد' جن کے دوران میونک شہر اس قدر تاراج ہوا۔ آپ ذرا لاہور یا دلی کے بلدیاتی دفتروں میں آج سے چالیس سال پہلے کی بھی کسی دستاویز کی تلاش کی کوشش کر دیکھیے۔ اگر دو سال بعد مل جائے تو یہ معجزہ ہو گا!

علامہ اقبال کی ایک نئی تاریخ ولادت

بہر حال' اس وقت میں جس امر کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرنے پر اکتفا کروں گا وہ یہ ہے کہ اس فارم (FORM ـ 109) مورخہ 17ـ10ـ07 (سترہ اکتوبر ۱۹۰۷ء) میں علامہ کی تاریخ پیدائش بھی درج ہے۔ یہاں اقبال کا نام یوں (بڑی خوش خط تحریر میں) رقم کیا گیا ہے' جہاں لفظ "اگبال" سب سے جلی حروف میں ہے:

SHEIK, (قس) IGBAL ,(قس) MUHAMMAD

اور پھر: "پیدائش کی تاریخ اور مقام" کے سامنے یہ اندراج ثبت ہے:

10 JULI 1876, SAILKOT (قس)

(اس سے ذرا نیچے مقامی میونسپلٹی (HEIMATGEMEINDE) کے سامنے دوبارہ سیالکوٹ کے اسی طرح سے غلط ہجے کیے گئے ہیں ' یعنی SAILKOT - ہاں' اس مکان میں اقبال کے درود کی تاریخ ۱۵ - اکتوبر ۱۹۰۷ء دی گئی ہے)۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علامہ جہاں بھی گئے' وہاں وہ اپنی تاریخِ پیدائش کے متعلق ایک نیا شگوفہ چھوڑ آئے! کیمبرج کے اکتوبر ۱۹۰۵ء والے اندراج میں "محرم ۱۸۷۶ء" لکھا' لنکنز اِنّ' لندن میں انہوں نے صرف اپنی عمر بیان کی (یعنی نومبر ۱۹۰۵ء میں ۲۹ سال)' میونک یونیورسٹی کے تھیسس (پیش کردہ جولائی ۱۹۰۷ء) میں ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ (مطابق ۱۸۷۶ء اور در اصل ۹ ر نومبر ۱۸۷۷ء) درج کیا' اور اکتوبر ۱۹۰۷ء میں میونک کی قیام گاہ کے فارم میں اپنی تاریخِ ولادت دس جولائی ۱۸۷۶ء بتلائی۔ (چنانچہ ـــــ خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے!)۔

میں تو صرف اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت علامہ خود اپنی صحیح تاریخ پیدائش سے واقف نہیں تھے۔ صرف ایک تاریخ ان کے ذہن پر پوری مطابقت (CONSISTENCY) کے ساتھ مرتسم تھی' اور وہ ہے ان کی ولادت کا عیسوی سال' یعنی ۱۸۷۶ء - (اور یہی سال انہوں نے اپنے پاسپورٹ پر بھی' ۱۹۳۱ء میں لندن کی گول میز کانفرنس میں شرکت کے موقع پر درج کیا تھا۔) میں نے اوپر کے صفحات میں اس فائل کی تفصیل بیان کی ہے جو ۱۹۰۷ء کے نصف آخر میں میونک یونیورسٹی سے شیخ محمد اقبال کے پی ایچ ڈی ڈگری کے حصول کے مختلف مراحل کے بارے میں مرتب ہوئی۔ اور جس کے مختلف اوراق اس وقت سے لے کر تا حال میونک یونیورسٹی کے محافظ خانے کے مختلف رجسٹروں میں بکھرے پڑے تھے' اور پورے اَسّی سال تک

زمانے کی نگاہ سے پوشیدہ رہے تھے۔ ان کی دریافت کے چند ہی ماہ بعد اتفاق سے میں مارچ ۔ اپریل ۱۹۸۸ء میں ایک سائنس کانفرنس کے سلسلے میں لاہور پہنچا تو وہاں علامہ اقبال کی وفات کی پچاسویں برسی کا غلغلہ تھا' چنانچہ بزم اقبال لاہور کے معتمد اعزازی جناب پروفیسر وحید قریشی صاحب کے مشورے پر میں نے اس فائل پر ایک ابتدائی مضمون روزنامہ نوائے وقت لاہور کے "یوم اقبال" پر شائع ہونے والے خصوصی شمارے (بابت ۲۱ ۔ اپریل ۱۹۸۸ء) میں چھپوا دیا' اور یہ موجودہ مضمون اسی خاکے کی ایک ہیئتِ مفصل ہے۔

حواشی

۱۔ میونک یونیورسٹی کی اس فائل میں مجھے ایسے کوئی حوالہ جات (REFERENCES) نظر نہیں آئے جو پروفیسر ہومل نے اقبال کو مہیا کیے ہوں' لیکن جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "اقبال یورپ میں" کے متعلقہ مضمون میں تحریر کیا ہے (ص ۱۴۰) ' کیمبرج یونیورسٹی والے مسودے اور میونک یونیورسٹی کے مطبوعہ مقالے کے متنوں کا مقابلہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اقبال نے موخر الذکر کتاب میں صرف دو تین ہی نئے حوالوں کا اضافہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک فرانسیسی زبان کے ایک تازہ مقالے سے متعلق ہے' اور دوسرا پروفیسر آرنلڈ کی ایک تازہ تصنیف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چونکہ اقبال غالباً" فرانسیسی زبان اور اس میں شائع ہونے والی علمی تصانیف سے ناواقف رہے ہوں گے' اور مزید برآں چونکہ خود پروفیسر ہومل بھی (اپنے ہی بیان

کے مطابق) عجمی فلسفے اور اس کے مباحث سے بے خبر تھے' اس لیے میرا قیاس یہ ہے کہ شاید وہ حوالے جن کا پروفیسر کوہن نے ذکر کیا ہے' پروفیسر ہومل کو یا خود اقبال کو دراصل پروفیسر آرنلڈ ہی نے مہیا کیے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب (درانی۔ میکسیکو' ۱۰؍ اپریل ۱۹۸۹ء)

۲۔ میرے حالیہ سائنسی دورۂ چیکو سلواکیہ و المانیہ شرقی و غربی ---- جولائی تا اگست ۱۹۹۰ء --- کے دوران جناب ڈاکٹر یان ماریک صاحب کے ساتھ پراگ میں کئی ایک ملاقاتیں رہیں' بلکہ ان کی ORIENTAL INSTITUTE میں میں نے علامہ اقبال کے بارے میں ایک لیکچر بھی دیا۔ چنانچہ اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ان سے مندرجہ بالا سوال بھی کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس مسئلے کی طرف ان کی توجہ ۱۹۵۸ء میں یوم اقبال کے جلسوں کی وجہ سے مبذول ہوئی' جو ۲۱۔ اپریل کے روز منائے جا رہے تھے' یعنی علامہ کے یوم وفات پر۔ جب انہوں نے علامہ کا یوم ولادت معلوم کرنے کی کوشش کی تو کئی ایک باہمی متضاد تاریخیں نظر آئیں۔ زمانہ طالب علمی میں انہوں نے علامہ اقبال کے میونک والے تھیسس کا ایک نسخہ پراگ کے کسی تاجرِ کتبِ قدیمہ سے خرید رکھا تھا۔ اس کے دیباچے میں انہوں نے مندرجہ بالا ہجری اور عیسوی تاریخیں دیکھیں لیکن جب انہوں نے لائپ زِگ (جرمنی) میں شائع شدہ ایک کتاب مولفہ WÜSTENFELD - MAHLER (ایڈیشن دوم' ۱۹۲۶ء) میں درج ہجری اور عیسوی تقویموں کی مساواتی فہرستوں کی مدد سے ۳۔ ذی قعد ۱۲۹۴ھ کو عیسوی کیلنڈر کی تاریخ میں تبدیل (CONVERT) کرنے کی کوشش کی تو انہیں اس دقت کا سامنا کرنا پڑا جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ کیونکہ انہیں پتا چلا کہ سنہ ۱۲۹۴ ہجری ... جنوری ۱۸۷۷ عیسوی سے پیشتر شروع نہیں ہوتا' اور ان مساواتی ...ABLES مطابق ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ دراصل جمعہ ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کو پڑتا ہے۔ آج شام ... شنبہ ۴ر اگست ۱۹۹۰ء کو جناب یان ماریک نے اپنے دولت کدے پر مجھے ...

کتب خانے میں محفوظ اس تھیسس کا نسخہ دکھایا ہے۔ یہاں شاید اس امر کا تذکرہ بے محل نہ ہو کہ ان کے مذکورہ بالا مضمون کی ایک فوٹو کاپی تین چار سال ہوئے میں نے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری سے خود تیار کرکے حاصل کی تھی۔ اب ڈاکٹر ماریک نے از راہِ کرم اس کی ایک اور کاپی اپنے دستخطوں کے ساتھ مجھے تقدیم فرمائی ہے۔ چنانچہ اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر میں نے اس کا اردو میں ترجمہ کر ڈالا ہے' اور کسی موقع پر اسے الگ شائع کر دوں گا۔ اگرچہ ماریک صاحب اس بات پر زور دے رہے تھے' کہ یہ پرچہ بہت پرانا ہو گیا ہے' اور اسے ان کے عہد نوجوانی کی ایک ادنیٰ کوشش سمجھنا چاہیے (۱۹۵۸ء میں ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی) ۔ مگر میں نے کہا کہ اس کے باوصف اس کی اپنی تاریخی اہمیت ہے۔ (دُرّانی ۔ پراگ ۔ ۴ ۔ اگست ۱۹۹۰ء)۔ یہ مضمون اس کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔

۳۔ یہ خطوط اقبال نے ہائیڈل برگ میں اپنی جرمن زبان کی استانی' مس ایما ویگے ناسٹ (EMMA WEGENAST) کو ۱۹۰۷ء سے ۱۹۳۳ء کے درمیانی عرصے میں لکھے تھے۔ اور ان ۲۷ خطوط کے عکوس ' مع دو اصل مسودوں کے اب جناب امان اللہ ہوبوہم* (HOBOHM) کے پاس محفوظ ہیں۔ مزید تفاصیل اور تمام خطوں کے تراجم اور TRANSCRIPTS کے لیے دیکھیے میری کتاب "اقبال یورپ میں" کا باب نہم ۔ (درانی' اطالوی الپس ۔ ۱۹ر اگست ۱۹۸۹ء) ۔

☆ موصوف کا صحیح نام محمد امان ہوبوم ہے۔(دُرّانی ۔۲۲را کتوبر ۲۰۰۲ء)

(۴)

کیمبرج

کیمبرج

۱۵ تا ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو میونک میں وہ فائل دریافت کرنے کے بعد، جس کا گزشتہ باب میں ذکر آیا' میں برمنگھم پہنچا تو دو ہفتے بعد "افکار" کراچی کا نومبر ۱۹۸۷ء کا شمارہ مجھے موصول ہوا۔ اس کے بہرۂ خطوط (یارانِ محفل) میں معروف اقبال شناس پروفیسر جناب جگن ناتھ آزاد کا ایک خط بھی شامل تھا' جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ: "افکار کے شمارۂ اپریل ۸۷ء میں پروفیسر ممتاز حسین نے پروفیسر سعید اختر درانی کی کتاب "اقبال یورپ میں" پر اپنے مضمون میں یہ سوال اٹھایا ہے :۔ "اس سے زیادہ ایک سوال اخلاقی نوعیت کا اٹھتا ہے۔ وہ یہ کہ کیا علامہ اقبال نے اپنے مقالے کی اس کیفیت سے میونک یونیورسٹی کو مطلع کیا تھا کہ میں نے اصلاً" اس مقالے کو کیمبرج یونیورسٹی میں بی۔ اے کی ڈگری کے لیے پیش کیا تھا؟ اس کا جواب ڈاکٹر درانی سوال اٹھانے کے باوجود نہیں دے پائے ... لہٰذا اس مسئلہ کو وہیں چھوڑ دینا چاہیے۔' (پھر پروفیسر آزاد اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں) ... قرائن یہ بتاتے ہیں کہ میونک یونیورسٹی کے اساتذۂ فلسفہ ویگے ناسٹ' سینے شال' فرالین رین (نوٹ از مصنف۔ یہ خواتین میونک یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ سے وابستہ نہ تھیں۔ ان غلط فہمیوں کے لیے

زیادہ تر مس عطیہ فیضی ذمہ دار ہیں۔ درانی) اور یونیورسٹی کی انتظامیہ سے وابستہ حضرات اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہے ہوں گے ... (ورنہ) اس صورت میں تو ڈگری دینے کا سارا عمل ہی خلافِ ضابطہ ہو جاتا' بلکہ ناممکن العمل ہو جاتا۔ کیونکہ اقبال کے میونک یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی حاصل کرنے میں مندرجہ ذیل تمام مراحل غائب ہیں: (۱) عنوان کی تجویز اور اس کی منظوری۔ (۲) سپروائزر کا تقرر۔ (۳) تھیسس لکھنے کی مدت کا تعین۔ (۴) بیرونی ممتحنوں کا تقرر۔ (۵) تھیسس کا جائزہ۔ (۶) زبانی امتحان۔ (نوٹ از مصنف۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی یہ ساری باتیں درست ہیں۔ اور صفحات بالا میں یعنی اس کتاب کے باب سوم' معنونہ "میونک" میں ان سب سوالات کے جواب موجود ہیں۔ درانی)۔ ("افکار" میں مطبوعہ اپنے خط کے آخر میں جناب جگن ناتھ صاحب نے فرمایا کہ) ... ڈاکٹر سعید اختر درانی نے اس ضمن میں بہت وقیع اور گراں قدر کام کیا ہے۔ اس لیے میں ان سے گزارش کروں گا کہ وہ چونکہ ہم لوگوں کے مقابلے میں کیمبرج سے زیادہ قریب ہیں' کیمبرج کی انتظامیہ سے وہ رابطہ قائم کریں۔ ممکن ہے اس کا کوئی ریکارڈ نکل آئے کہ کیمبرج یونیورسٹی نے اقبال کے مذکورہ ڈسرٹیشن کے اعلیٰ معیار کے پیش نظراور اپنے یہاں پی ایچ ڈی کی ڈگری نہ ہونے کے باعث' میونک یونیورسٹی کو لکھا کہ وہ اس ڈسرٹیشن کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے دیکھنا چاہیں تو انہیں یہ بھیجا جاسکتا ہے۔ (نوٹ از مصنف: میرے خیال میں یہ قیاسات مبنی بر حقیقت نہیں ہیں۔ درانی) اگر اس قسم کے ریکارڈ کا کوئی سراغ مل جائے تو یہ تمام ٹوٹی پھوٹی کڑیاں جڑ جائیں۔ اور تھیسس کی مکمل روداد ہمارے سامنے آجائے۔"

جب جناب جگن ناتھ آزاد صاحب نے مدیرِ "افکار" کو یہ خط لکھا ہوگا تو انہیں یہ گمان نہ گزرا ہو گا کہ میونک یونیورسٹی کے بارے میں ان کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات اس خط کی اشاعت سے پیشتر ہی مل چکے ہوں گے' اور کیمبرج

یونیورسٹی کے بارے میں ان کی فرمائش بھی کس قدر جلد پوری ہو جائے گی!

وہ یوں کہ اگرچہ ایک عرصے سے میرے ذہن میں یہ خیال موجود تھا کہ کسی وقت کیمبرج یونیورسٹی کے ARCHIVES میں علامہ کے بارے میں پس انداختہ یا باقی ماندہ کاغذات اور دستاویزوں کی تلاش کرنی چاہیے (جہاں جون ۱۹۸۲ء میں میں نے ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کی ہیئتِ نخستیں کا سراغ لگایا تھا جو انہوں نے مارچ ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے داخل کیا تھا۔) لیکن اس سلسلے میں مَیں نے تا حال کوئی عملی قدم نہ اٹھایا تھا۔ اب میونک یونیورسٹی والی فائل کی دریافت، اور اس کے دو ہفتے بعد جناب جگن ناتھ آزاد کا اس بارے میں خط پڑھ کر، میرے سمندِ شوق کو ایک اور تازیانہ لگا۔ اور میں نے فیصلہ کیا کہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

ایک مزید "قران السعدین" کا مثیل یہ امر ہوا کہ ان تمام باتوں کے چند ہی روز بعد ہماری اقبال اکیڈیمی (یو کے) نے (جس کا میں صدر نشیں ہوں) برمنگھم یونیورسٹی میں ایک بین الاقوامی مذاکرہ بعنوان "اقبال اور تصوف" IQBAL AND) (MYSTICISM بروز ہفتہ ۷ر نومبر ۱۹۸۷ء منعقد کیا۔ (اس کی پوری کارروائی حال ہی میں اقبال اکادمی پاکستان کے انگریزی مجلّے IQBAL REVIEW کے 1988 WINTER کے شمارے میں چھپ چکی ہے۔) اس مذاکرے کے مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر محمد اجمل (سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، اور وفاقی معتمد تعلیم) تھے، جو ہماری دعوت پر خاص طور سے لاہور سے تشریف لائے تھے۔ مذاکرے کے بعد انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کیمبرج یونیورسٹی کا دورہ بھی کرنا چاہیں گے۔ چنانچہ میں نے ۱۸۔ نومبر ۱۹۸۷ء کو ان کے دورۂ کیمبرج کا انتظام کیا، اور وہاں کے چند اقبال شناسوں اور ماہرینِ فلسفہ و تصوف (METAPHYSICS) کے ساتھ ان کی ملاقات ٹھہرائی۔

کیمبرج یونیورسٹی لائبریری

ڈاکٹر اجمل کے متوقع ورود سے ایک روز پیشتر، یعنی منگل ۱۷ر نومبر کو میں خود کیمبرج چلا گیا، جہاں مجھے کچھ اور کام بھی تھے، اور اپنے پرانے کالج کیز (CAIUS) میں شب باش ہوا۔ منگل کو کیمبرج پہنچتے ہی دوپہر کے کھانے سے پہلے میں کیمرج یونیورسٹی لائبریری میں جا نکلا، اور وہاں کی بے حد لائق ،اور عربی، فارسی اور کئی ایک اور مشرقی زبانوں کی ماہر خاتون ،محترمہ JILL BUTTERWORTH کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان صاحبہ سے مجھے پہلے سے شرفِ نیاز حاصل تھا، کیونکہ تابستان ۱۹۸۶ء کے دوران انہوں نے علامہ اقبال کے بارے میں کئی اہم نسخوں تک مجھے رسائی بہم پہنچائی تھی (مثلاً" پروفیسر آربری کا غیر مطبوعہ ترجمہ "گلشنِ راز جدید" از اقبال، جس پر ایک الگ مضمون میں تحریر کرچکا ہوں، اگرچہ اس کے چھپنے کی تا حال نوبت نہیں آئی*۔) میں نے ان کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا کہ کس طرح حال ہی میں علامہ کی میونک یونیورسٹی کی پی ایچ ڈی والی فائل کا سراغ میں نے نکالا ہے۔ کیا یہ ممکن ہوگا کہ کیمبرج یونیورسٹی سے علامہ نے DISSERTATION (تحقیقی مقالہ) لکھ کر بی اے کی جو ڈگری حاصل کی تھی، اس کے تدریجی مراحل سے متعلق کاغذات کا بھی کھوج نکالا جاسکے؟ انہوں نے اس سلسلے میں میری مدد کرنے کی ہامی بھری، اور کہا کہ وہ کیمبرج یونیورسٹی کے ARCHIVES کی نگران خاتون، محترمہ ڈاکٹر الزبتھ لیڈھم - گرین (DR E.S. LEEDHAM - GREEN) کے ساتھ اس سلسلے میں بات کریں گی۔ میں نے انہیں تمام متعلقہ اطلاعات اور تاریخیں بہم پہنچا دیں جو میرے علم میں تھیں۔

☆اب یہ کتابچہ کراچی یونی ورسٹی پریس سے شائع ہونے کے لیے زیرِ ترتیب ہے۔(دُرّانی، ۲۲راکتوبر ۲۰۰۲ء)

یعنیٰ یہ کہ شیخ محمد اقبال اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج میں بطور ایک ADVANCED STUDENT کے داخل ہوئے تھے' اور انہوں نے (MORAL SCIENCES) (علوم اخلاق) کی فیکلٹی میں ۱۹۰۷ء کے اوائل میں اپنا تحقیقی مقالہ بہ عنوان DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA داخل کر دیا ہو گا جو یونیورسٹی نے ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو منظور کر لیا' اور اس پر ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کو انہیں بی اے کی ڈگری عطا کی گئی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں واپس لائبریری میں پہنچا تو جل بٹروَرتھ صاحبہ نے محترمہ لیڈھم گرین کے ساتھ میرا تعارف کرایا' اور میں نے دوبارہ انہیں مندرجہ بالا اطلاعات بہم پہنچائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان اطلاعات کی مدد سے وہ زیادہ دقت کے بغیر جناب اقبال کے بارے میں جو کاغذات اور تحریریں بھی یونیورسٹی کے محافظ خانے میں موجود ہوں گی' ان کو بر آمد کر لیں گی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ گھنٹے بھر کے بعد میں دوبارہ ان سے ملنے آؤں۔

اقبال کا تحقیقی مقالہ: بعض اندراجات' دستاویزات

یہ خاتون بھی میونک یونیورسٹی کے حفاظت خانے کے کار پرداز جناب مارٹن شُٹز MARTIN SCHÜTZ ہی کی سی مستعد نکلیں۔ اس سہ پہر کو سوا چار بجے مجھے یونیورسٹی کے DIVINITY SCHOOL (دبستانِ الہٰیات) میں ایک لیکچر ATTEND کرنے کے لیے جانا تھا' جو میری ایک جاننے والی خاتون (DR ERICA HUNTER) دے رہی تھیں۔ چنانچہ جب میں اس لیکچر میں جانے سے پہلے چار بجے کے لگ بھگ دوبارہ محترمہ ڈاکٹر لیڈھم گرین کی خدمت میں حاضر

ہوا تو انہوں نے خوش خبری سنائی کہ وہ شیخ محمد اقبال کے بارے میں چار پانچ اندراجات اور دستاویزیں برآمد کر چکی ہیں! ان سب چیزوں کی فوٹو کاپیاں میں نے اس سے اگلے روز (یعنی بدھ ۱۸ر نومبر ۱۹۸۷ء کو) یونیورسٹی لائبریری سے محترمہ جل بٹر وَرتھ کی مدد سے حاصل کیں، چونکہ اتفاق سے اس روز میرے پاس کافی وقت نکل آیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بد قسمتی سے ڈاکٹر اجمل صاحب، جو لندن میں اپنے ایک عزیز کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے، خاصے بیمار ہو گئے۔اور جب ڈاکٹر اریکا ہنٹر اور میں نے کافی دیر تک ان کے استقبال کے لیے انتظار کرنے کے بعد انہیں فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تشریف نہ لا سکیں گے۔ اس پر ہمیں افسوس تو کافی ہوا (اور ان سب اصحاب کو، جن سے انہیں ملنا تھا، ملاقات کی تنسیخ کے ٹیلی فون کرنے پڑے)، لیکن میں نے اس فالتو وقت کو غنیمت جانتے ہوئے دوبارہ یونیورسٹی لائبریری جا کر سب دستاویزوں کی فوراً کاپیاں نکلوا لیں، کہ کہیں بعد کو یونیورسٹی والے یہ نہ کہیں کہ بغیر خاص اجازت کے ان کی نقلیں مہیا کرنا ممکن نہ ہو گا۔ (جیسا کہ چند سال قبل علامہ کے تحقیقی مقالے کی نقل حاصل کرنے کے سلسلے میں ہوا تھا!)

ان دستاویزوں کے مطالعے سے کئی دلچسپ باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ شروع میں اقبال نے اپنے مقالے کا جو عنوان تجویز کیا تھا وہ کیا تھا، اور بعد ازآں وہ کس طرح ایک حد تک ارتقاء پذیر ہوا۔ دوسرے یہ کہ ان کے مقالے کے ممتحنین کون تھے، اور ان کی رائے اس مقالے کے متعلق کیا تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

سب سے پہلی تحریر علم اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی میٹنگ کا ایک شذرہ (MINUTE) ہے۔ (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۳) یہ میٹنگ جمعہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو (یعنی اقبال کے ٹرنٹی کالج کیمبرج میں داخلے کے محض پانچ روز بعد) پچھلے پہر کے چار بجے سنڈیکیٹ بلڈنگز میں منعقد ہوئی تھی، اور اس میں مندرجہ ذیل اصحاب شامل تھے، یعنی صدرِ محفل، پروفیسر سورلی (PROFESSOR W.R. SORLEY) اِ

پروفیسر وارڈ (PROFESSOR JAMES WARD)۲ـ۔ ڈاکٹر کینز DR J. N. KEYNES۳ـ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ (DR J.M.E. MC TAGGART)۴ـ

اور مسٹر ریورز RIVERS ۵ـ

اس میٹنگ کے شذرہ نمبر ۲ کے مطابق:

"پنجاب یونیورسٹی کے محمد "اگبال" (IGBAL' کذا) ' ایم ۔ اے' کی جانب سے ایک درخواست (دیکھیے : دستاویز نمبر ۱۴) موصول ہوئی ہے کہ بطور ایک اعلیٰ درجے کے طالب علم (ADVANCED STUDENT) کے' انہیں ایک تحقیقی کورس میں داخلے کی اجازت دی جائے۔ان کے مجوزہ مضمون کا عنوان ہے۔

" THE GENESIS AND DEVELOPMENT OF METAPHYSICAL CONCEPTIONS IN PERSIA "

(یعنی "ایران میں علم مابعد الطبیعیات کی تولید و ارتقا کے تصورات")۔

اس درخواست کو منظور کر لینے کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ بھی بالاتفاق طے پایا کہ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ سے استدعا کی جائے کہ وہ اس طالبِ علم کی تعلیم کی نگرانی فرمائیں' اور ڈاکٹر میک ٹیگرٹ نے ایسا کرنے کی ہامی بھرلی۔"

اس شذرے کے نیچے دستخط ہیں W.R.SORLEY اور ۱۷ر (یا ۱۲ر) مارچ ۱۹۰۶ء کی تاریخ درج ہے۔

یہاں بر سرِ تذکرہ میں اس بات کا اضافہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ جب اس امر پر غور کیا جائے کہ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ دراصل یوروپی (اور بالخصوص ہیگیلین: HEGELIAN) فلسفے کے ماہر تھے' اور غالباً" عجمی فلسفے کی نشوونما سے زیادہ واقف نہ ہوں گے' تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اقبال کے طرزِ تحقیق اور عمومی

فلسفیانہ تصورات اور معلومات کے ضمن میں تو ضرور مدد کی ہوگی (اور یہ بھی معلوم ہے کہ اقبال کے قیام کیمبرج کے دوران جہاں دونو ٹرنٹی کالج سے متعلق تھے، یعنی اقبال بطور طالب علم اور ڈاکٹر میک ٹیگرٹ بطور فیلو، وہ ان کے ساتھ مسئلہ وحدت الوجود وغیرہ پر بحث کیا کرتے تھے)، مزید برآں اقبال کے تحقیقی مقالے کے ابتدائی ابواب میں یونانی فلسفے پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے سلسلے میں ڈاکٹر میک ٹیگرٹ نے شاید اقبال کی رہنمائی کی ہوگی، لیکن عجمی اور اسلامی فلسفے، اور یونانی فلسفے کے اس پر اثرات کی چھان بین میں پورا یا زیادہ تر کام خود اقبال ہی نے سرانجام دیا ہو گا۔ اس بات کی شہادت میونک یونیورسٹی کی فائل میں درج اس خط سے بھی ملتی ہے جو اس تھیسس کے بارے میں پروفیسر طامس آرنلڈ نے میونک بھیجا تھا، یعنی پروفیسر آرنلڈ کا یہ بیان کہ "صاحبِ تحریر (یعنی اقبال) نے ایسے بہت سے مواد سے استفادہ کیا ہے جو پیش ازیں یا تو غیر مطبوعہ تھا، یا یورپ میں بہت نا معلوم تھا۔*" ان حقائق کے پیش نظر ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کیمبرج یونیورسٹی میں اقبال نے تحقیق کرنے کا جو ڈول ڈالا (اور اس کا جو عنوان تجویز کیا) وہ زیادہ تر خود ان کی اپج تھی۔ اگرچہ مجھے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اس میدان کے انتخاب میں اقبال نے پروفیسر آرنلڈ سے بھی ضرور مشورہ کیا ہو گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کی اولیں صلاح پروفیسر آرنلڈ ہی نے دی ہو۔ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب کیمبرج اور میونک میں یہ مقالہ پیش کرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں انہوں نے لندن (LUZAC & CO.,1908) سے اسے شائع کرایا تو پروفیسر آرنلڈ کے نام اس کے انتساب میں اقبال نے لکھا کہ: "یہ چھوٹی سی کتاب اس ادبی اور فلسفیانہ تربیت کا میوۂ نخستیں ہے۔ جو میں گذشتہ دس برس سے آپ سے پا رہا تھا" (دیکھیے "اقبال یورپ میں" کے مضامین متعلقہ سر طامس، اور "فلسفۂ عجم" کی دریافت)۔ یعنی اقبال اس کتاب کا انتساب پروفیسر آرنلڈ کے نام کر رہے ہیں، اور انہی کی فلسفیانہ تربیت کا

☆ یہاں یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ اس مقالے کی تعریف میں، اور اس کے پس منظر کے بارے میں، یہ مذکورہ خط (د۔ک۔ص ۱۱۵)، پروفیسر آرنلڈ نے لکھا تھا، نہ کہ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ نے (دُرّانی، ۲۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ کا اس کتاب یا اس مقالے کے آغاز میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

اب میں کیمبرج یونیورسٹی کی "اقبال فائل" کے دوسرے اندراج کی طرف لوٹتا ہوں۔ (دیکھیے : دستاویز نمبر ۱۵) جس کے متعلقہ حصے کا ترجمہ یوں ہے :

"علم اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی ایک میٹنگ جمعرات ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو سنڈیکیٹ بلڈنگز میں منعقد ہوئی۔

حاضرین : ڈاکٹر کینز (صدر نشین)۔ پروفیسر وارڈ۔ پروفیسر سورلی ۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ، مسٹر ریورز۔

۲۔ پروفیسر سورلی اور مسٹر نکلسن (اور درآں صورت کہ مسٹر نکلسن ۵۔ یہ ذمہ اٹھانے سے انکار کریں، تو پھر پروفیسر براؤن ۶) کو اس تحقیقی مقالے کے لیے ریفری (حکم) مقرر کیا گیا جو ایک ریسرچ اسٹوڈنٹ، مسٹر اگبال (IGBAL، کذا) نے بہ عنوان (DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA) "ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا" پیش کیا ہے۔

۳ ۔ طے پایا کہ پروفیسر سورلی سے درخواست کی جائے کہ وہ جناب نکلسن کے ساتھ اس تحقیقی مقالے کے بارے میں رابطہ قائم کریں۔"

(دستخط) جے ۔ این ۔ کینز
۷ ۔ مئی ۱۹۰۷ء

اسی صفحے پر اگلی میٹنگ کی روداد یوں درج ہے (دیکھیے دستاویز نمبر ۱۶):

"علم اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی میٹنگ، سنڈیکیٹ بلڈنگز میں بروز منگل، ۷ مئی ۱۹۰۷ء، ڈھائی بجے بعد از ظہر منعقد ہوئی۔

حاضرین : ڈاکٹر کینز (صدر نشین)۔ پروفیسر وارڈ۔ پروفیسر سورلی۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ۔ اور مسٹر ریورز۔"

(اس میٹنگ کے پہلے حصے میں بورڈ نے عام امور و معاملات پر مختلف فیصلے کیے۔ جن کے نیچے جناب جے ۔ این کینز (صدر نشین) کے دستخط مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء ثبت ہیں۔ پھر اس کے بعد کارروائی یوں جاری رہی :)

"علم اخلاقیات کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی ایک میٹنگ سنڈیکیٹ بلڈنگز میں منگل ۷ مئی ۱۹۰۷ء کے روز' بورڈ کی میٹنگ کے بعد منعقد ہوئی۔ وہی ممبر (یعنی مندرجہ بالا) موجود تھے۔ (دیکھیے : دستاویز نمبر ۱۷)

۱۔ گذشتہ میٹنگ کی روداد پڑھ کر سنائی گئی اور مصدّق ہوئی۔

۲۔ مسٹر اقبال کے مقالے

(DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA) پر پروفیسر سورلی اور مسٹر نکلسن کی رپورٹیں پڑھ کر سنائی گئیں' اور اس بات کا کلّی اتفاق سے فیصلہ کیا گیا کہ بورڈ کی رائے میں یہ مقالہ دنیائے علم میں ایک تازہ اضافے کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کا مالک ہے"

(یہاں "امتیازی حیثیت" (OF DISTINCTION AS) کے الفاظ کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہے' اور شاید ڈاکٹر کینز کی لکھائی میں ہے۔ درانی) اس شذرے کے نیچے جے ۔ این ۔ کینز (صدر نشین) کے دستخط مورخہ ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۰۷ء ثبت ہیں۔

مندرجہ بالا دو دستاویزوں سے یہ نکتہ پہلی مرتبہ کھلتا ہے کہ جناب آر ۔ اے نکلسن علامہ اقبال کے تحقیقی مقالے کے ریفری (حَکَم) رہے تھے۔ ورنہ میں نے اپنی کتاب اور دوسرے مضامین میں انہیں اقبال کا استاد تصور کیا تھا۔

کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے ARCHIVES کی مہتمم' محترمہ ڈاکٹر الزبتھ ریڈھم گرین نے منگل ۱۷۔ نومبر ۱۹۸۷ء کو مجھے جو کاغذات (DOCUMENTS) بہم پہنچائے' ان میں سے باقی ماندہ دستاویزوں کا ماجرا یوں ہے :

پہلا اقتباس یونیورسٹی آرکائیوز' کیمبرج' میں محفوظ اس کتاب سے ہے' جس کا

عنوان تھا:

ADVANCED STUDENTS

CAMBRIDGE UNIVERSITY REGIST. 116

(DR J.N. KEYNES, THE REGISTRY, CAMBRIDGE)

یعنی یہ اس سلسلے کی ایک سو سولہویں جلد تھی۔ اس میں نمبر ۳۷ پر مندرجہ ذیل ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر ملتی ہے (جبکہ نمبر ۲۷، جو علوم مشرقی کے خصوصی بورڈ کی طرف سے جاری کی گئی سند ہے، وہ طبع شدہ صورت میں ہے۔ اس بورڈ کی ڈگری کمیٹی کے چیرمین پروفیسر ای۔ جی براؤن تھے ۶۔ جنہیں فارسی دانشور، ان کے INITIALS (یعنی EGB) کی رعایت سے تفنن طبع کے لیے "عجب" کا لقب دیا کرتے تھے)۔ بہرحال اس کتاب یا رجسٹر میں نمبر ۳۷ پر مندرجہ ذیل دستی تحریر رقم ہے (دیکھیے: دستاویز نمبر ۱۸):

> "درجۂ اعلیٰ کا طالب علم: کام (یعنی تصنیف) کی
> منظوری
> علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی رائے میں ٹرنٹی کالج کے درجۂ اعلیٰ کے طالب علم، شیخ محمد اقبال کا پیش کردہ کام جو ایک مقالے بعنوان "ایران میں علم مابعدالطبیعیات کا ارتقا" پر مشتمل ہے علم و دانش میں ایک تازہ اضافے کی حیثیت سے دارائے امتیاز ہے"

(دستخط) جے۔ این۔ کینز
صدر نشین، خصوصی بورڈ برائے علم الاخلاق
مورخہ ۷ مئی ۱۹۰۷ء

یہاں بر سر تذکرہ شاید ایک معمولی سے نکتے کی طرف اشارہ کرنا غیر مناسب

نہ ہو' کہ اگرچہ علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کی میٹنگ منعقدہ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء میں (جس کی رُوداد پر ڈاکٹر کینز نے ۷ مئی ۱۹۰۷ء کو دستخط کیے' اور جو اوپر درج کی جا چکی ہے) مسٹر اقبال کو "ریسرچ اسٹوڈنٹ" کے نام سے پکارا گیا ہے' اس کے برعکس اس سند میں' جو ابھی اوپر نقل کی گئی ہے (یعنی نمبر ۷۳' جس پر بھی ڈاکٹر کینز ہی کے ۷ مئی ۱۹۰۷ء کے دستخط ہیں) شیخ محمد اقبال کا لقب ADVANCED STUDENT درج کیا گیا ہے' جو کہ در اصل ان کا صحیح لقب یا رتبہ تھا' (کیونکہ ٹرنٹی کالج اور یونیورسٹی کی دوسری دستاویزوں میں ان کا درجہ یہی ظاہر کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ کیمبرج آنے سے پہلے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کر چکے تھے)۔ ویسے آج کل برطانوی یونیورسٹیوں میں ریسرچ اسٹوڈنٹ اس طالب علم کو کہتے ہیں جو پی ایچ ڈی کی ڈگری کا امیدوار ہو' اور ADVANCED STUDENT اس کو کہتے ہیں جو مثلاً" .M.Sc یا .M.PHIL (ماسٹر ڈگری' یعنی پی ایچ ڈی سے کم تر ڈگری) کا امیدوار ہو۔ بہرصورت چونکہ ۱۹۲۰ء سے پہلے کیمبرج یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ابھی جاری ہی نہیں ہوئی تھی' اس لیے شاید ریسرچ اور ایڈوانسڈ اسٹوڈنٹ کے درمیان ایسا باریک فرق ان دنوں کوئی خاص معنی نہ رکھتا تھا۔

ڈاکٹر لیڈھم گرین (LEEDHAM - GREEN) کا دیا ہوا چوتھا کاغذ (جہاں تک مجھے یاد ہے) اسی کتاب (یعنی رجسٹر کی جلد نمبر ۱۴) کی فہرست مطالب یا خلاصہ تھا' اور یہاں شمارہ ۷۳ پر بھی یہی اندراج داخل ہے' یعنی:

۷۳ ۔ ایس ۔ ایم ۔ اقبال' ٹرنٹی (کالج) کی پیش کش (یعنی تصنیف) کی علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کی جانب سے منظوری' ۷ر مئی ۱۹۰۷ء۔

منگل ۱۷ر نومبر ۱۹۸۷ء کو کیمبرج یونیورسٹی آرکائیوز میں جو ریکارڈ مجھے دستیاب ہوئے' ان میں کی آخری دستاویز ایک لمبی سی SLIP (چٹھی یا پھرری) ہے'

جس کا عکس شامل ہٰذا ہے (دیکھیے: دستاویز نمبر۱۹)۔ اس میں اقبال کے مختصر احوال درج ہیں۔ اس میں ابتدا" اقبال کا نام IGBAL تحریر کیا گیا ہے۔

(اور یہی ہجے میونک والی فائل اور دستاویزوں میں بھی جابجا نظر آتے ہیں' بلکہ ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ میں بھی ان کے نام کو یوں ہی SPELL کیا گیا ہے' اور اسی طرح علم الاخلاق کی ڈگری کمیٹی کے' اوپر نقل کیے گئے تین میں سے دو شذروں میں اس نام کا یہی حشر ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یوروپی زبانوں میں Q بغیر U کے یعنی QU کے سوا' مروج نہیں ہے)۔ لیکن پھر کسی شخص نے کافی عرصے بعد (غالبا" علامہ کی وفات کے موقعے پر' کیونکہ اس کے نیچے لکھا ہے "ورق الٹیے" ' اور اقبال کی وفات کی تاریخ درج ہے) ان ہجوں کو درست کرکے IQBAL لکھ دیا ہے۔ بلکہ پورا نام یوں تحریر کیا ہے: اقبال ــــــــ شیخ سر محمد۔

اس سلپ میں اور جو اندراجات ہیں' ان میں یونیورسٹی میں داخلے کی تاریخ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء دی گئی ہے (جبکہ ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ برائے ۱۸۸۲ء تا ۱۹۱۳ء میں ان کا داخلہ یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کے روز ہوا)۔ کالج میں ان کا درجہ (RANK)' " P " دکھایا گیا ہے' جس سے مراد " PENSIONER " ہے (یعنی ایسا طالب علم جس کو کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے وظیفہ وغیرہ نہ ملتا ہو' بلکہ وہ خود اپنے خرچ پر تعلیم پا رہا ہو)۔ ان کے ڈگری پانے کی تاریخ ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء دی گئی ہے' جس کی اطلاع مجھے اولا" ۱۹۷۷ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین جناب فلپ گیسکل (DR PHILIP GASKELL) نے دی تھی۔ لیکن اس سلپ میں' اور موجودہ مضمون میں منقول مختلف دستاویزوں یا اسناد میں ' اقبال کے تحقیقی مقالے کی منظوری کی جو تاریخ درج ہے' یعنی منگل ۷ مئی ۱۹۰۷ء ' وہ نئی ہے اور اس تاریخ سے مختلف ہے جو ڈاکٹر گیسکل نے میرے نام اپنے خط مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۷۷ء میں ان الفاظ کے ساتھ بہم پہنچائی تھی:

THE REGISTRY CONFIRMS THAT IQBAL WAS ADMITTED

AS AN ADVANCED STUDENT AND THAT HE SUBMITTED

A DISSERTATION (APPARENTLY ON A MORAL SCIENCES

TOPIC) WHICH WAS APPROVED FOR THE B.A. DEGREE

BY SPECIAL DISPENSATION, ON 7TH MARCH 1907.

HE TOOK THAT DEGREE ON 13 JUNE THE SAME YEAR,

BUT NEVER TOOK THE M.A.}ہے

میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر گیسکل 'یا کیمبرج یونیورسٹی رجسٹری' کو یہاں تھوڑا سا تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ (جیسا کہ اوپر نقل کی گئی ایک دستاویز میں دیکھا جاسکتا ہے)۔ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو دراصل اقبال کے مقالے کے ممتحن مقرر ہوئے تھے (صرف ان MINUTES پر* دستخط ۷ مئی ۱۹۰۷ء کے تھے) ' جبکہ ڈگری کی منظوری ۷ مئی ۱۹۰۷ کو دی گئی۔ (اور اس میٹنگ کی روداد پر دستخط ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو کیے گئے)۔ غالباً" یونیورسٹی کی ڈگری کانووکیشن ۱۳ ر جون (۱۹۰۷ء) کو منعقد ہوئی ہوگی۔ اس کے علاوہ یہاں اس بات کا ذکر بھی شاید مفید رہے کہ ان تمام کاغذات میں ہمیں کہیں SPECIAL DISPENSATION (یعنی خاص اجازت) کا ذکر نہیں ملتا' بلکہ اقبال کی بی اے کی ڈگری ان کو بندھے بندھائے اور مروجہ اصول و ضوابط ہی کے مطابق جاری کی گئی تھی ۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر گیسکل کو SPECIAL BOARD FOR MORAL SCIENCES پر SPECIAL DISPENSATION کا دھوکا ہوا ہو۔

اس سلپ میں باقی جو اندرجات دیکھے جاسکتے ہیں' وہ یوں ہیں :۔

کالج : ٹرنٹی ۔ (طالب علم کی حیثیت) : درجہ اعلیٰ کا دانش جو (ایڈوانسڈ اسٹوڈنٹ) مقالے (کے داخلے) کی فیس ادا کی گئی' ۹ ر مئی ۱۹۰۷ء۔ مقالے کی منظوری از

☆ تصدیق

ڈگری کمیٹی، خصوصی بورڈ برائے علم الاخلاق: ۷ مئی ۱۹۰۷ء

اس سلپ کی پشت پر (دیکھیے: دستاویز نمبر ۲۰) جو نوٹ دیا گیا ہے، اس میں یہ اطلاعات ریکارڈ کی گئی ہیں: "مرحوم: دیکھئے ٹائمز (لندن) برائے ۲۲۔ اپریل ۱۹۳۸ء" (یعنی علامہ کی وفات کے دوسرے روز کا شمارہ)۔

۱۹۳۸ء کی کتاب WHO'S WHO (کون، کون ہے) میں ان کا نام یوں دکھایا گیا ہے: "MUHAMMAD IQBAL, SHEIKH SIR"

اس نوٹ کے نیچے کسی صاحب کے ناقابل شناخت دستخط ثبت ہیں۔

ان سطور کے ساتھ ان دستاویزوں کے بارے میں میرا بیان اور تحلیل و تجزیہ ختم ہوتا ہے جو اکتوبر، نومبر ۱۹۸۷ء میں میں نے میونک اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے حفاظت خانوں (ARCHIVES) میں دریافت کیں۔ لیکن اس مضمون کے تتمے کے طور سے ایک آخری دستاویز کا ذکر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو ڈاکٹر صدیق شبلی صاحب نے اپنے طور سے کیمبرج یونیورسٹی کے (ARCHIVES) سے ڈاکٹر لیڈھم گرین LEEDHAM - GREEN ہی کے توسط سے حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر شبلی نے یہ دستاویز (جو علامہ اقبال کی درخواست ہے بنام سینئر ٹیوٹر ٹرنٹی کالج کیمبرج مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء) بزم اقبال لاہور کے تحقیقی مجلّے "اقبال" (جلد ۳۷، شمارہ ۱۔۲، بابت جنوری ۔ اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۷ تا ۱۸۱) میں شائع کی تھی۔ اس دستاویز کے تذکرے سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ تحقیق کرنے والوں کو آسانی رہے۔

علامہ اقبال کو ڈاکٹریٹ کی جو ڈگری ملی، وہ لاطینی زبان میں تھی ۔ آخر میں اس کا عکس اور انگریزی ترجمہ بھی شامل کیا جا رہا ہے (دیکھیے: دستاویز نمبر ۲۱)

حواشی

۱۔ پروفیسرSORLEY سورلی (LITT.D.) کیمبرج یونیورسٹی میں (بمقام کنگز کالج) KNIGHTBRIDGE PROFESSOR OF MORAL PHILOSOPHY تھے۔ ان کا تذکرہ شیخ سر عبد القادر نے "بانگِ درا" کے دیباچے میں کیا ہے' اور بقول لارڈ بٹلر (جو علامہ کے دوست سر مانٹیگو بٹلر کے صاحبزادے' اور ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۸ء تک ٹرنٹی کالج کیمبرج کے استاذ اعظم تھے)' وہ بٹلر صاحب کے خالو تھے۔

۲۔ میرے پارینہ کالج کیز (CAIUS) کے سابق استاذ اعظم (MASTER) ڈاکٹر نیڈھم DR JOSEPH NEEDHAM ' جو امسال یعنی دسمبر ۱۹۸۹ء میں ۸۹ برس کے ہو جائیں گے ' مجھے اس شام (۱۷ نومبر ۸۷ء) کو بتایا کہ وہ SELWYN COLLEGE کے پروفیسر وارڈ کو اچھی طرح جانتے تھے' اور یہ صاحب BOARD OF GRADUATE STUDIES کے (جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے) سر رشتہ کار تھے۔ یعنی یوں ڈاکٹر نیڈھم کے توسط سے تا حال ایسے لوگ موجود ہیں جو اقبال کو جاننے والوں کو جانتے تھے۔ اور حال ہی میں مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ پروفیسر جیمز وارڈ غالباً" وہی ہیں جن کے فلسفے کا علامہ اقبال نے کافی اثر لیا ہے۔ (درانی ' آسٹریا' ۲۰ ر اگست ۱۹۸۹ء)

۳۔ ہو سکتا ہے کہ یہ صاحب مشہور عالم اقتصادیات JOHN MAYNARD KEYNES کے' جو (۱۹۳۰ء کے عشرے میں) کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسر تھے' والد یا قریبی عزیز☆ ہوں۔ ڈاکٹر جے۔ این کینز اُس زمانے میں یا کم از کم ۱۹۰۷ء میں علم الاخلاق کے خصوصی بورڈ کے چیئرمین تھے اور یونیورسٹی

☆اب ایک حالیہ مضمون سے اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ مینارڈ کینز کے والد NEVILLE KEYNES واقعی اُن دنوں کیمبرج یونی ورسٹی کے رجسٹرار تھے۔(دُرّانی۔۲۲را کتوبر۲۰۰۲ء)

کے رجسٹرار بھی تھے۔

۴۔ ہیگل HEGEL کے فلسفے کے نامور اور مستند عالم، جن کے NEO-HEGELIAN طرز فکر نے اقبال پر بھی اثر کیا۔

۵۔ مسٹر (بعد ازاں پروفیسر) آر۔اے نکلسن، جنہوں نے ۱۹۲۰ء میں علامہ اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" کا انگریزی ترجمہ شائع کرکے اقبال کو مغربی دنیا سے روشناس کیا۔ لگے ہاتھوں میں ذکر کردوں کہ جولائی ۱۹۸۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی کی اورینٹل فیکلٹی میں، میں نے اس کتاب کے ایک بے بہا نسخے کا کھوج لگایا جس پر علامہ کے اپنے ہاتھ کی، کی ہوئی ہزار ہا تصحیحات موجود ہیں، جو انہوں نے (غالباً" ڈاکٹر نکلسن کی درخواست پر) کی تھیں۔ ان میں سے تقریباً" نوے فی صد تصحیحات ڈاکٹر نکلسن نے مِن و عَن قبول کرلیں اور ۱۹۴۰ء میں شائع شدہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں انہوں نے اپنے ترجمے میں یہ ترمیمات داخل کردیں، اگرچہ اس کے دیباچے وغیرہ میں انہوں نے علامہ کی اس امداد کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس تمام ماجرے پر میں نے انگریزی میں ایک مفصل مضمون تیار کیا ہے، اگرچہ یہ ابھی تک چھپا نہیں☆۔
(درانی، ہوہن لمبرگ، (HOHENLIMBURG) جرمنی۔ ۲۲ر اگست ۱۹۸۹ء)

پروفیسر ای۔ جی۔ براون، جو کیمبرج یونیورسٹی میں ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۶ء تک عربی زبان کے پروفیسر SIR THOMAS ADAMS 'S PROFESSOR OF ARABIC رہے۔ ان کی چار جلدوں پر مشتمل "تاریخ ادبیات ایران" شہرۂ آفاق ہے۔ اس کتاب کی جلد چہارم (مطبوعہ ۱۹۲۴ء) میں علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفے کا ذکر ملتا ہے (ص ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۶) اس تاریخ کی پہلی جلد ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ پروفیسر براؤن اس متعلقہ زمانے (۱۹۰۶ - ۰۷) میں اورینٹل اسٹڈیز ڈگری کمیٹی کے چیرمین بھی تھے۔
(درانی۔ ہوہن لمبروگ HOHENLIMBURG، جرمنی۔ ۲۲ر اگست ۱۹۸۹ء)۔

۷۔ یاد رہے کہ بی اے☆☆ آنرز کے بعد ایم اے کی ڈگری چند سال بعد ایک مقررہ فیس داخل کرنے پر اپنے آپ مل سکتی ہے۔

☆ یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں کراچی یونی ورسٹی پریس سے شائع ہوگئی ہے۔ (دُرّانی۔ ۲۲راکتوبر ۲۰۰۲ء)
☆☆ کیمبرج یونی ورسٹی سے

ضمیمہ (ا)

محمد اقبال کی تاریخ ولادت ☆

یان ماریک JAN MAREK
ترجمہ: سعید اختر درانی

۲۱۔ اپریل ۱۹۵۸ء کے روز ہم نے عظیم ہندی ۔ پاکستانی شاعر اور مفکر کی برسی منائی ہے، جس کی وفات آج سے بیس سال پہلے ہوئی تھی۔ یہ برسی نہ صرف اسلامی جمہوریۂ پاکستان نے منائی (جس کے رہنماؤں نے محمد اقبال کو غلط طور سے اپنے "پاک وطن" اور ملت کا روحانی خالق تصور کیا ہے ا۔) ، بلکہ اس کے منانے والوں میں جرمنی، ولندیز اور انگلستان کے یوروپی مسلمان بھی شامل تھے، بالخصوص لندن کے اسلامی ثقافتی مرکز کے مقام پر۔

آج تیس سال سے زیادہ ہونے کو آئے کہ اسلامی تجدد کے پیروکار وہاں جمع ہوئے تھے اور انھوں نے اِحیائے اسلام کے پُرجوش نقیب، سر محمد اقبال کے نام پر ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ لندن کی "اقبال سوسائٹی" کی تاسیس ۱۹۲۶ء میں ہوئی، یعنی اس شاعر

☆ مضمون مطبوعہ ARCHIV ORIENTÁLNÍ (PRAGUE) ، جلد ۲۶ ، ص ۶۱۷ تا ۶۳۰۔ ۱۹۵۸ء

کی وفات سے بارہ برس قبل ۔ شاعر موصوف نے اس کے پہلے اجلاس میں خود شرکت کی ۲؎ ۔ سوسائٹی آٹھ سال تک پبلک سرگرمیوں میں مصروف رہی، لیکن اس کے بعد مقامی تعاون کے فقدان کی وجہ سے یہ معدوم ہو گئی۔ اقبال کی دسویں برسی کے موقعے پر لندن میں مقیم پاکستانیوں نے اسے دوبارہ جاری کیا ۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں برطانیۂ عظمیٰ میں پاکستان کے ہائی کمشنر، عزت مآب جناب حبیب رحمت اللہ کے زیرِ سیادت اس انجمن کی تنظیم نو قرار پائی ۳؎۔ اس وقت سے اس کی سرگرمیاں جاری ہیں، اور ۱۹۵۳ء میں معروف انگریز ماہر ایرانیات پروفیسر اے۔ جے۔ آربری اس کے صدر منتخب ہوئے۔

دوسری اقبال سوسائٹیاں بھی، فارسی لقب "بزم اقبال" کے نام سے کراچی، اور شاعر کے وطن مالوف کے صدر مقام لاہور، میں قائم کی گئیں۔ لاہور کی اقبال اکیڈیمی ۴؎۔اقبال کی تصنیفات اور کام کا فلسفیانہ اور مذہبی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے میں مصروف ہے، اور وہ ۱۹۵۲ء سے ایک دلچسپ سہ ماہی رسالہ شائع کر رہی ہے، جس کا نام محض "اقبال" ہے، اور جو ہر ایسے موضوع کے مطالعے کے لیے وقف ہے جس میں اقبال کو دلچسپی ہو سکتی تھی، خواہ وہ فلسفہ ہو، یا مذہب، یا ادبیات یا کچھ اور۔

یہ انجمنیں، اور ان کے علاوہ متعدد دیگر ثقافتی اور تعلیمی ادارے، ہر سال اپریل کے مہینے میں یادگاری جلسے منعقد کرتے، اور اپنے رسالوں کے خصوصی "اقبال نمبر" شائع کرتے ہیں، اقبال کی تاریخ وفات ساری اسلامی دنیا میں معلوم ہے، اور ۲۱۔ اپریل کا دن "یوم اقبال" کے طور سے منایا جاتا ہے۔

ہمارے یہاں بطل ہائے عظیم کی یاد ان کی تاریخ پیدائش کے روز منانے کا رواج ہے، تو محمد اقبال کی صورت میں ایسا کیوں نہیں ہے، اور یوم اقبال اس کی وفات کی برسی کے روز کیوں منایا جاتا ہے؟ اس کا جواب دینا مشکل نہیں ہے، اور وہ اس لیے کہ ہمیں محمد اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہے۔ اگر ہم کسی ایسی اہم

شخصیت کی تاریخ ولادت سے غافل ہوتے جو آج سے کم از کم دو صدیاں پہلے گزری ہوتی، تو یہ بات قابل تعجب نہ ہوتی۔ لیکن یہ امر ایک ایسے مصنف کے لحاظ سے ضرور تعجب خیز ہے جو ہمارے چیک شاعر اوٹاکر برژزینا(OTAKAR BŘEZINA) سے تقریباً پانچ سال کم عمر ہے، اور انگریز ناولسٹ جان گالز وردی سے قریب دس سال کم عمر ہے۔

جب ہم اس کی صحیح تاریخ پیدائش کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ہمیں متعدد مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلی مشکل تو مشرقیوں کی تعین زمان کے بارے میں معروف بے یقینی، اور بچوں کی ولادت کے تحریری ریکارڈوں کی مکمل غیر موجودگی ہے۔ کیونکہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک رجسٹرار کے دفتر میں بچے کی پیدائش کا اندراج ہندوستان کے غیر عیسائیوں کے لیے لازمی نہیں تھا۔ خاندان کے اندر بچے کی تاریخ ولادت عموماً کسی ایسے خاص وقوعے یا حادثے کے تعلق سے یاد رکھی جاتی تھی جو خاندان کے گرد و نواح یا بود و باش پر گزرا ہوتا (مثلاً گاؤں کے چودھری کے گھر میں آگ لگ جانے کے ایک ہفتے بعد) یا گردش پذیر مذہبی تہواروں کے ناطے سے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی تاریخوں کو مختلف تقویموں میں بیان کرنے میں ایک مزید پریشانی بھی پنہاں ہے، اور وہ یہ کہ کسی اور تقویم کی تاریخوں کو ہمارے کیلنڈر میں منتقل کرنا نسبتاً مشکل اور خالی از صحت ثابت ہوتا ہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ اقبال کے سال ولادت کے تعین میں (اور مہینے اور دن کے ذکر کی تو بات ہی چھوڑیے) اقبال کی زندگی اور اس کے کام کے دانش جُو کس حد تک اختلاف رکھتے ہیں۔ سب سے زیادہ ذکر سنہ ۱۸۷۳ء کا ہوتا ہے ۵۔ بعض مقامات پر مہینہ اور دن تک دیا جاتا ہے۔ یعنی ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء ۶۔ کم تر، ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۵ء کے سال بھی مختلف ہندوستانی اور پاکستانی ماخذوں میں بیان کیے جاتے ہیں، اور پھر اس سے زیادہ مرتبہ سنہ ۱۸۷۶ء کا ذکر ملتا ہے (مثلاً ولفرڈ کینٹ وِل

ستمتہ WILFRED CANTWELL SMITH ـــــ ہندوستان میں میں اسلام جدید MODERN ISLAM IN INDIA: ، لندن ۱۹۴۶ء ص ۱۰۱۔ یا ہیلمتہ فون گلازنپ HELMUTH VON GLASENAPP....

ہندوستانی ادبیات: DIE LITERATUREN INDEIENS 'پوٹسڈم POTSDAM ۱۹۲۹ء' ص ۲۲۷) بالعموم ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۷۳ء کا سال مختلف یوروپی اور ایشیائی دانشوروں نے اقبال کے تخمینی تذکرہ نگاروں سے اخذ کیا ہے۔ دیگر مستشرقین جیسے کہ اسمتھ ،گلازےنپ اور بالخصوص جی۔ طفرل G. TAFFAREL ۷۔ بعد والی تاریخ '۱۸۷۶ء پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن طفرل خود اپنے مقالے میں متضاد (اور غلط۔ نوٹ از مترجم) بیانات رقم کرتا ہے۔ ۸۔ یعنی: "بروز ۲۱۔ اپریل (یعنی ۱۹۳۸ء) سر محمد اقبال کا بمبئی میں دل کے عارضے سے انتقال ہوا۔ گزشتہ جنوری میں' ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقعے پر' ہندوستان کے مختلف مراکز میں جلسے منعقد ہوئے تھے' خاص کر بمبئی اور حیدر آباد (دکن) کی عثمانیہ یونیورسٹی میں۔ نیز ان کے کام پر کئی مقالے شائع ہوئے تھے جن میں ہندوستانی ادیبوں اور سیاستدانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا"۔

آیئے اب اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیے کہ کئی ایک قابل مصنفین نے سنہ ۱۸۷۷ء پر اقبال کے سال ولادت کی حیثیت سے زور دیا ہے۔ محترمہ وی۔ کوبتسکووا☆ (V.KUBICKOVÁ) فارسی ماخذ کے تطابق میں اپنے مقالے معنونہ: "NOVOPERSKÁ LITERATURA XX. STOLETÍ" (بیسویں صدی کے جدید فارسی ادب کی تاریخ ۹۔) میں اقبال کی مدت حیات یوں بیان کرتی ہیں: محمد اقبال (۱۸۷۷ ۱۹۳۸ ـ ۱۳۵۷ ۱۲۹۴ھ) پروفیسر جے۔ ڈبلیو۔ فیوک (J.W. FUECK) ۱۰۔ نے غالباً" ہجری تاریخ ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ کو ۱۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء میں تبدیل کرنے کی کوشش کی (ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح تاریخ ۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء کے لیے کتابت کی غلطی ہو)۔ انہوں

☆کوبچکووا

نے اقبال کی تاریخ وفات غلط طور سے یکم اپریل ۱۹۳۸ء (1-4-1938) بیان کی ہے، مگر اس بیان کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی + گوٹفریڈ سائمن GOTTFRIED SIMON بھی اپنی کتاب REFORMBEWEGUNGEN IM ISLAM 11 - (تحریکاتِ احیائے اسلام) میں ۱۸۷۷ء ہی بیان کرتا ہے

میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایسا ماخذ موجود ہے جس کی بنا پر ہم کافی بھروسے کے ساتھ (مندرجہ ذیل) نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ اقبال خود اپنے ان خود نوشت سوانح حیات میں بیان کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے میونک یونیورسٹی، جرمنی، والے تھیسس میں شامل کیے ہیں ۱۲۔ کہ: "میں ۳ ذو قعد ۱۲۹۴ ہجری (۱۸۷۶ عیسوی) کے روز سیالکوٹ پنجاب (ہندوستان) میں پیدا ہوا تھا۔" لیکن یہ حساب کہ ۱۲۹۴ھ = ۱۸۷۶ء صحیح نہیں ہے سال ۱۲۹۴ کا آغاز ۱۶ جنوری ۱۸۷۷ء سے "قبل نہیں ہوتا ہے ۔ ۱۳۔ ذی قعدہ ۱۲۹۴ ہجری کا تیسرا روز، ۱۸۷۷ عیسوی کے ۹ نومبر (جمعہ) کے برابر ہے۔

اپنے خود نوشت سوانح حیات میں اقبال نے اپنی تعلیم کا مزید حال یوں بیان کیا ہے۔" چند سال کے بعد میں ایک مقامی مدرسے میں داخل ہوا اور اپنے یونیورسٹی کیریئر کی ابتدا کی۔ میں نے پنجاب یونیورسٹی کا ابتدائی امتحان عام PUBLIC EXAMINATION ۱۸۹۱ء میں پاس کیا۔ ۱۸۹۳ء میں مَیں نے میٹریکیولیشن کا امتحان پاس کیا اور سکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیا، جہاں میں نے دو سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں پنجاب یونیورسٹی کا انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۹ء میں، مَیں نے لاہور گورنمنٹ کالج سے بالترتیب بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے۔" ۱۴۔

امتحانات پاس کرنے اور ہائی اسکول میں داخل ہونے سے متعلق بیانات بھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اقبال ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ہندوستان کے ہائی

اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے دستور کے لحاظ سے یہ امر بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ اقبال نے اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں اپنی عمر کے سولھویں سال میں داخلہ لیا' نہ کہ اس قدر دیر سے کہ وہ بیس سال کے ہو چکے تھے۔ یہ بھی اغلب ہے کہ انہوں نے بی اے بیس برس کی عمر میں کیا نہ کہ چوبیس کی' اور یہ کہ انہوں نے ایم اے کا درجہ بائیس سال کی عمر میں حاصل کیا' نہ کہ چھبیس سال کی پختہ عمر میں۔

ہم نے (اوپر) بیان کیا ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شاعر کی ساٹھویں سالگرہ کے موقعے پر جلسے منعقد کیے گئے تھے۔ چنانچہ اقبال نہ تو ۱۸۷۳ء میں پیدا ہو سکے ہوں گے نہ ۱۸۷۶ء میں' بلکہ ۱۸۷۸ء میں' یا کم از کم سنہ ۱۸۷۷ء کے اواخر میں۔

تو خلاصہ یوں ہے:

الف۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال بروز جمعہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔ یہ تاریخ خود اقبال کے اس بیان پر مبنی ہے جو انہوں نے اپنی خود نوشت سرگذشت میں پیش کیا ہے (یعنی سوم ذی القعدہ' ۱۲۹۴ ہجری)

ب۔ چند اور فرو تر ثبوت بھی ملتے ہیں جو سنہ ۱۸۷۷ء کے حق میں ہیں:

۱۔ ہائی اسکول کے امتحانوں کے پاس کرنے اور مختلف قسم کی درس گاہوں (مصنف مقالہ نے "اسکولوں" لکھا ہے۔ درانی) میں داخلے کی تاریخیں' ہندوستان کے انگریزی اسکولوں میں طلبہ کی اوسط عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

۲۔ اقبال کی ساٹھویں سالگرہ منانے کی تقریبات جو ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان منعقد ہوئیں' جب شاعر ابھی زندہ تھا۔

۳۔ جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے' بعض دانشور بھی مختلف مآخذ کی روشنی میں ۱۸۷۷ء ہی پر زور دیتے ہیں۔

ہاں' یہ ضرور ہے کہ ہم کتابت کی غلطیوں پر منحصر غلط شماریوں (MISCALCULATIONS) سے احتراز نہیں کر سکتے۔

(تمت: پراگ' شنبہ ۴۔ اگست ۱۹۹۰ء)

حواشی

۱۔ مترجم نے جب اگست ۱۹۹۰ء میں جناب یان ماریک سے پراگ میں ملاقات کی اور اس بیان کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس زمانے میں جب یہ مضمون لکھا گیا (یعنی ۱۹۵۸ء میں)، تو ان کے ملک (چیکو سلواکیا) کی حکومت مملکت پاکستان سے عناد رکھتی تھی، اور ایسے خیالات کی تشہیر کرتی تھی۔ اب جناب ڈاکٹر ماریک کا ذاتی نقطۂ نظر اس بارے میں بدل گیا ہے (درانی)۔

۲۔ مترجم کے خیال میں یہ اطلاع صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ۱۹۲۶ء میں علامہ اقبال انگلستان میں موجود نہ تھے۔ اس سوسائٹی کی بنیاد (جہاں تک مجھے یاد ہے) دراصل علامہ کے ۱۹۳۱ء کے دورۂ انگلستان کے دوران میں رکھی گئی تھی، جب وہ دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلے میں انگلستان تشریف لائے تھے۔

۳۔ دیکھیے Art and Letters (ہنر و ادب) جلد ۲۷، ۱۹۵۳ء، ص ۲۵۔

۴۔ مترجم کے خیال میں یہ تنظیم اقبال اکیڈیمی نہیں، بزم اقبال (بمقام لاہور) تھی۔ (یاد رہے کہ بزم اقبال کا نام ابتدا میں اقبال اکیڈیمی تھا، پھر بزم اقبال ہوا۔ (وحید قریشی))

۵۔ بالخصوص اقبال کے سوانح حیات کے قدیم ہندوستانی تذکروں میں۔ مگر کئی ایک تازہ مقالات میں بھی۔ مثلاً" اے ایم شمل A-M Schimmel : محمد اقبال ۱۹۳۸ء

Welt des Islams N.S. III 1954, p. 145, ۱۸۷۳ء -

علی مراد Ali Merad محمد اقبالؒ ایک جدید مسلمان مفکر ۱۹۳۸ء - ۱۸۷۳ء (فرانسیسی زبان میں)

Mohammad Iqbal; un penseur musulman moderne 1873 - 1938

(Ibla* XVIII 1955, p. 339)

ریاض الحسن : ہندوستانی مسلمان شاعر محمد اقبال ۱۹۳۸ء۔۱۸۷۳ء

اطالوی زبان میں Il poeta musulmano indiano Mohammed Iqbal

1873 - 1938 (Oriente Moderno XX, 1940, p.605)

این ۔ بی ۔ رائے (N.B.Roy): اقبال کی شاعری کا پس منظر (انگریزی زبان میں)

(The Vishvabharati Quarterly XX, 1955, p. 321)

٦۔ اے ۔ بوسانی A.Bausani : نغمۂ آسمانی Il poema celeste

(اقبال کے جاوید نامے کا اطالوی ترجمہ) ۔ روم ' ۱۹۵۲' ص ۹ '

اور علی نہاد طرلان Ali Nihat Tarlan شرقتاً" خبر Şarktan Haber

(اقبال کے پیام مشرق کا ترکی ترجمہ)' انقرہ' ۱۹۵۲ء ص XI یا ۱۱۔

۷۔ جی ۔ طفریل G.TAFFAREL محمد اقبال کا تذکرۂ حیات :

Notizie biografiche su Mohammed Iqbal ' Oriente Moderno XVIII, 1938, P. 322)

۱۹۳۸ء ص ۳۲۲ جو "دکن ٹائمز" میں شائع ہونے والے ایک مضمون پر مبنی ہے۔

۸۔ Il 21 dello scorso aprile mori a Bombay di mal di

cuore Sir Mohammed Iqbāl. Nel precedente gennaio in

occasione del suo sessantesimo compleanno in vari centri

dell 'India e specialmente a Bombay e Haiderabad del Dekkan

(Presso l'Università Othmaniyyah)

furono tenute conferenze e scritti articoli sulle opera

sua, con larga partecipazione di litterati e politici indù.

☆ Ibla= Institute des Belles Lettres des Arabes(Tunis)

۹۔ یان ۔ ر۔پکا (Jan Rypka) اور معاونین :

"Dějiny perské a tádžické literatury"

(تاریخِ ادبیاتِ فارسی و تاجیک) ۔۔۔۔۔۔۔۔ پراگ ۱۹۵٦ء ص ۱۳۰۵۔

۱۰۔ J W Fueck:Muhammad Iqbal und der

indomuslimische Modernismus,

Westoestliche Abhandlungen,Rudolf Tschudi zum

70. Geburstag, Wiesbaden 1954, p.357

(ـجے ۔ ڈبلیو۔ فیوک :

محمد اقبال اور مسلم ہند کا دورِ جدید : مقالاتِ شرق و غرب'

رڈولف ٹچودی کی سترویں سالگرہ پر : ویزبادن ۱۹۵۴ء ص ۳۵۷۔

۱۱۔ اس کی کتاب کے تبصرے کے مطابق 'جس کے لیے دیکھیے

The Moslem - World جلد ۲۷ (XXVII) ۱۹۳۷ء 'ص ۳۱۳۔

۱۲۔ دیکھیے ایم اقبال ۔ "ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء"

M. Iqbāl:The Development of Metaphysics in Persia,

Inaugural Dissertation der Philosophischen Fakultät

Sekt. I. (resp. II) der

Ludwig - Maximilians Universität, München,

London 1908, Lebenslauf.

(افتتاحی مقالہ برائے کلیۂ فلسفہ ۔ سیکشن اول (یا دوم) لُڈوِگ میکسیمیلین یونیورسٹی۔

میونک ۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۸ء۔کوائف حیات)

نوٹ از مترجم:

اکتوبر ۱۹۸۷ء میں میونک یونیورسٹی لائبریری کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر بوزاش (L.Buzás) نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے خیال میں کلیہ فلسفہ یا یونیورسٹی کے جس کار پرداز کے ذمے اس مقالے کے لیے اس سیکشن کا تعین کرنا تھا جس کے ماتحت اقبال کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی جارہی تھی، اس نے تساہل یا تغافل کی بنا پر بجائے ایک سیکشن کے دونوں سیکشن درج کر دیے، (یعنی سیکشن اول یا دوم) امسال (اگست ۱۹۹۰ء میں) جناب یان ماریک نے پراگ میں اس خیال کا مجھ سے اظہار کیا کہ شاید اس مقالے کا موضوع ان دو سیکشنوں اول و دوم کے بین بین رہا ہو۔ چنانچہ دونوں کا نام درج کر دیا گیا، لیکن بعد ازاں جب میں نے اقبال کی "میونک فائل" کا بغور مطالعہ کیا تو وہاں نظر آیا کہ میونک یونیورسٹی کے "شاہی کلیہ فلسفہ" کے ڈین، جناب بریمن Dr H. Breymann نے اپنے سرٹیفکیٹ میں بالخصوص سیکشن اول کا اندراج کیا ہے۔ (درانی)۔

۱۳۔ بمطابق "اسلامی اور عیسوی تقویموں کی مساواتی فہرستیں" از ایف۔ وُسٹن فیلڈ۔ ماہلر، دوسرا ایڈیشن۔ لائپزگ ۱۹۲۶ء۔

(F.Wüstenfeld - Mahler' sche Vergleichungstabellen

der Mohammedanischen und Christlichen Zeitrechnung,

2. Aufl., Leipzig 1926.)

۱۴۔ فلسفۂ عجم، کوائفِ حیات

(Development of Metaphysics, Lebenslauf)

دستاویزات

☆ دراصل، گٹوں

دستاویز - ۱

VON DER
PHILOSOPHISCHEN FAKULTÆT I. SEKTION

München, den 21. Juli

an

die Herren Hommel, v. Hertling, Lipps
u. sämtliche Ordinarien

Betreff:

Promotionsgesuch

des Herrn Sheikh Muhammad Iqbal
in München

Herr S. M. Iqbal
bewirbt sich um Zulassung zum Examen rigorosum unter Vorlage der nötigen Zeugnisse and einer Dissertation
Development of Metaphysics in Persia
Er bezeichnet Philosophie als Hauptfach, orientalische (arabische) und englische Philologie als Nebenfächer.
Ich ersuche die Herren Hommel, v. Hertling, Lipps um das Votum informativum, die übrigen Herren Ordinarii um ihre eventuelle Meinungsäusserung.

Hochachtungsvollst
H. Paul

دستاویز - ۱

Von der
Philosophischen Facultät I Sektion   München, den 21 Juli 1907

an
die Herren Hommel, v. Hertling, Lipps
u. sämtliche Ordinarien Betreff:
Promotionsgesuch

des Herrn   Sheikh Muhammad Iqbal

in   München

Herr S.M. Iqbal

bewirbt sich um Zulassung zum Examen rigorosum unter Vorlage der nötigen Zeugnisse und einer Dissertation ....

...."Development of Metaphysics in Persia"................

Er bezeichnete ...Philosophie.........als Hauptfach,

...orientalische (arabische) und englische Philologie...als Nebenfächer.

Ich ersuche die Herrn ...Hommel, v. Hertling, Lipps.... um das Votum informativum, die übrigen Herren Ordinarii um ihre eventuelle Meinungsäusserung.

Hochachtungsvoll

(sd) H. Paul

دستاویز - ۱

From:

The Philosophical Faculty Section I   Munich, 21 July 1907

To:

Messrs Hommel, v. Hertling, Lipps
and all Professors in Ordinary*

Regarding
Application for doctoral graduation of

Mr Sheikh Muhammad Iqbal

in Munich

Mr S.M. Iqbal

applies for admission to the oral Ph.D. examination by submitting the required Certificates and a Dissertation ....

......................"Development of Metaphysics in Persia"..................

He names .....Philosophy.........as Principal Subject,

...Oriental (Arabic) and English Philology.....as Subsidary Subjects.

I ask Messrs..Hommel, v. Hertling, Lipps..... to give their vote, (and) the other Professors in Ordinary* their possible opinion.

Yours sincerely,

(sd) H. Paul

*i.e. Full Professors (note by author)

دستاویز - ۲

QUITTUNG

über

260 Mark

Zweihundertsechzig Mark,

welche Herr. S. M. Iqbal

als Promotionsgebühren heute einbezahlt hat.

München, den 22. Juli 1907.

[illegible]

N 12

QUITTUNG

über

260 Mark

Zweihundertsechzig Mark

welche Herr S.M. Igbal

als Promotionsgebühren heute einbezahlt hat.

Müchen, den 22. Juli 1907

(sd) ?

N 12

RECEIPT

for

260 Mark

Two hundred and sixty Marks,

that Mr S.M. Igbal

paid in today as graduation fees.

Munich, 22 July, 1907

(sd) ?

In Deutschland beschäftigen sich nur sehr wenige Orientalisten ausschließlich mit islamischer Literatur; altarabische Poesie und daneben noch Geschichte und Geographie sind die Gebiete, wo die meisten speciellen Arabisten gewöhnlich arbeiten und zu Hause sind. Unter den wenigen eigentlichen Islamisten sind aber gegenwärtig keine, meines Wissens gar keine, die die arabisch-persische Philosophie zu ihrem Lebenswerk gemacht haben; Prof. Ignaz Goldziher in Budapest ist einer der wenigen in Europa, die hier als Autorität gelten können. Infolgedessen können nur solche ein fachmännisches Urteil über eine Arbeit, wie die vorliegende es ist, abgeben. Dazu kommt noch, daß ein competenter Beurteiler philosophisch-orientalistisch geschult sein müßte, wie seinerzeit Schmölders in Breslau es war, oder noch früher unser berühmter Jos. Marc. Müller.

Es konnte daher nur meine Aufgabe sein, zu untersuchen, ob bei dieser Arbeit die notwendigen sprachlichen Grundlagen gegeben sind. Das kann ich nun glücklicherweise bejahen. Prof. Ikbal ist, wie es ja schon die beiliegenden englischen Zeugnisse und Empfehlungsschreiben aus Indien wie auch aus Cambridge und London nicht anders erwarten lassen, ein ganz vorzüglich geschulter Kenner des Arabischen und Persischen. Davon überzeugte mich sowohl die persönliche Bekanntschaft mit ihm wie auch das eingehende Durchsehen seiner Arbeit überzeugt. Ausserdem besitze ich einen Brief seines Lehrers, Prof. Arnold in London, des früheren Professors der Philosophie an einer indischen Universität und jetzt Subbibliothekar der India Office in London und Professor des Arabischen an der dortigen Universität, über die vorliegende Arbeit, die er hat entstehen sehen und die ihm dann auch noch in Reinschrift vorlag, anzuführen:

Whitehall, India Office. Oct. 2nd 1907

I have read Prof. Muhammad Iqbal's dissertation "The development of metaphysics in Persia" with much interest. So far as I am aware, this is the first attempt that has been made to trace the continuous development of ancient Iranian speculations as they have survived in Muhammadan philosophy and to bring out the distinctively Persian character of many phases of Muslim thought. The writer has made use of much material hitherto unpublished and little known in Europe, and his dissertation is a valuable contribution to the history of Muhammadan philosophy.

T. W. Arnold, Prof. of Arabic
University of London

Ich glaube also, soweit ich es beurteilen kann (einige Vertrautheit mit dem vorliegenden Gegenstand besitzen dürfen, als ich als Student mit großem Eifer meines verewigten Lehrers Otto Loth's 4st. Vorlesungen über islam. Literaturgeschichte, wovon ein Drittel speciell über Dogmatik u. Philosophie handelte, gehört und durchstudiert habe), mit gutem Gewissen Prof. Ikbals Arbeit der Fakultät zur Annahme empfehlen zu können.

14 Oktober 1907

F. Hommel

Nachschrift:
Was die mündl. Prüfung anlangt, so möchte ich, dem Charakter der ganzen Arbeit gemäß, in Übereinstimmung mit Collegen Kuhn vorschlagen, daß der Kandidat im Hauptfach eine halbe St. in Geschichte der Philosophie und eine halbe Stunde statt in Psychologie vielmehr in oriental. Religionsgeschichte (und hier wol am besten von Herrn Collegen Kuhn) geprüft werde; Zoroastrismus u. indische Religion liegt hier dem jedenfalls näher als die Religionen des alten vorderasiatischen Orients, deren Studium ich speciell betreibe.

In Deutschland beschäftigen sich nur wenige Orientalisten ausschliesslich mit islamischer Literatur: altarabische Poesie und ausserdem noch Geschichte und Geographie sind die Gebiete, worin unsere speziellen Arabisten zumeist arbeiten und zu Hause sind. Unter den wenigen eigentlichen Islamisten sind aber gegenwärtig bei uns meines Wissens gar keine, die die arabischpersische Philosophie zu ihrer Lebensarbeit gemacht haben; Prof. Ignac Goldziher* in Budapest ist einer der wenigen in Europa, die hier als Autorität gelten können. Und doch (sic) können doch eigentlich nur solche ein fachmännisches Urteil über eine Arbeit, wie die vorliegende es ist, abgeben. Dazu kommt noch, dass ein competenter Bearbeiter Philosoph und Orientalist zugleich sein müsste, wie seinerzeit Schmölders in Breslau es war, oder noch früher unser berühmter Jos. Max. Müller**

Es konnte daher nur meine Aufgabe sein, zu untersuchen, ob bei dieser Arbeit die notwendigen sprachlichen Grundlagen gegeben sind. Das kann ich nun glückicherweise bejahen. Prof. Iqbal ist, wie es ja schon die beiliegenden englischen Zeugnisse und Empfehlungsschreiben aus Indien wie auch aus Cambridge und London nicht anders erwarten liessen, ein ganz vorzüglich geschulter Kenner des Arabischen und Persischen; hiervon habe ich mich sowohl durch die persönliche Bekanntschaft mit ihm wie auch durch eine eingehende Durchsicht seiner Arbeit überzeugt. Auch erlaube ich mir einen Brief seines Lehrers, Prof. Arnold in London, der früher Professor der Philosophie an einer indische Universität war und jetzt Sublibrarian des India Office in London und Professor des Arabischen an der dortigen Universität ist, über die vorliegende Arbeit, die er hat entstehen sehen und die ihm dann auch noch in Reinschrift vorlag, anzuführen:

"Whitehall, India Office, Oct.2[d] 1907

I have read Prof. Muhammad Ikbal's (sic) Dissertation "the Development of Metaphysics in Persia" with much interest. So far as I am aware, it is the first attempt that has been made to trace the continuous development of ancient Iranian speculations as they have survived in Muhammadan philosophy and so bring out the distinctively Persian character of many phases of Muslim thought. The writer has made use of much material hitherto unpublished and little known in Europe, and his dissertation is a valuable contribution to the history of Muhammadan philosophy.

T.W. Arnold, Prof. of Arabic, University of London"

Ich glaube also, soweit ich es beurteilen kann (einige Vertrautheit mit dem vorliegenden Gegenstand besitze ich insofern, als ich als Student mit grossem Eifer meines verewigten Lehrers Otto Lotte 4rt. Vorlesung über islam.- Literaturgeschichte, wovon ein Drittel speciell über Dogmatik und Phiosophie handelte, gehört und durchstudiert habe), mit gutem Gewissen Prof. Iqbals Arbeit der Fakultät zur Annahme empfehlen zu können.

14 Oktober 1907 Fr. Hommel

Nachschrift:

Was die mündliche Prüfung anlangt, so möchte ich, dem Character der ganzen Arbeit gemäss, in Übereinstimmung mit Collegen Kuhn vorschlagen, dass der Kandidat im Hauptfach eine halbe Stunde in Geschichte der Philosophie und eine halbe Stunde statt in Psychologie vielmehr in oriental. Religionsgeschichte (und hier wo[h]l am besten von Herrn Collegen Kuhn) geprüft werde: Zoroastismus u. indische Religion liegt hier dann jedenfalls näher als die Religion des alten vorderasiatischen Orients, deren Studium ich speciell betreibe

---

*Remark by the translator: Ignac Goldziher, b. Szekesfehervar 22 June 1850, d. Budapest 13 Nov. 1921. Hungarian Orientalist.

**Friedrich Max Müller, b. Dessaü 6 Dec. 1823, d. Oxford 28 Oct. 1900. British indologist and Sanskritist of German Origin; Professor in Oxford

In Germany only few orientalists are exclusively occupied with the Islamic literature. It is Arabic poetry, and besides that (Arabic) history and geography, that are the fields in which our special Arabists are mostly working and are quite at home in. Among the few actual Islamists presently here, as far as we know there are none at all who have chosen Arabic-Persian philosophy as their life-work; Professor Ignàc Goldziher in Budapest is one of the few in Europe that may be considered as an authority in this field. And yet it is only those who can express an expert opinion on a thesis such as the one lying before us. In addition to that, a competent reviewer would need to be both a philosopher and an orientalist, as formerly Schmölders in Breslau was, or even before that our famous Jos. Max Müller.

Therefore my task can merely have been to examine whether the required linguistic foundations were present in this thesis. Fortunately I can answer that now in the affirmative. Professor Iqbal is, as the enclosed English certificate, and reference letters from India as well as Cambridge and London, did not leave one to expect differently, a very excellently educated scholar of Arabic and Persian: of this I was convinced by my personal acquaintance with himself as well as by a thorough examination of his thesis. I also take the liberty to quote a letter by his teacher, Professor Arnold in London, who was formerly Professor of Arabic at an Indian University and is now the Sublibrarian of India Office in London and Professor of Arabic at the University there, concerning the present thesis, whose development he witnessed and that lay before him in its final form:

"Whitehall, India Office, Oct.2nd 1907

I have read Prof. Muhammad Ikbal's (sic) dissertation "the Development of Metaphysics in Persia" with much interest. So far as I am aware, it is the first attempt that has been made to trace the continuous development of ancient Iranian speculations as they have survived in Muhammadan philosophy, and so bring out the distinctively Persian character of many phases of Muslim thought. The writer has made use of much material hitherto unpublished and little known in Europe, and his dissertation is a valuable contribution to the history of Muhammadan philosophy.

T.W. Arnold, Prof. of Arabic
University of London "

دستاویز - ۳ (جاری)

I therefore believe that I am able, as far as I can judge (some knowledge of the present field I have inasmuch as, in my student days, I heard and studied with much seal the 4th lecture on the history of Islamic literature, of which one third dealt especially with dogma and philosophy, of my deceased teacher Otto Lotte), to recommend in good conscience Professor Ikbal's (sic) thesis to the Faculty for acceptance.

14 October, 1907 (sd) Fr. Hommel

Postscript:

Regarding the oral examination, I should like to suggest, in agreement with my colleague Kuhn, that, in the light of the character of the whole thesis, the candidate be exmmined as his Principal Subject for half an hour in the history of philosophy, and for half an hour not in psychology but rather in the oriental history of religion (and here I suppose preferably by my colleague Kuhn); Zoroastrianism and Indian religion are in any case closer to him than the religions of the ancient Near-Eastern Orient that I am especially studying.

دستاویز - ۴

[illegible]

[illegible]

دستاویز - ۹

Ich habe von der Arbeit des Herrn Professor Iqbal mit Interesse Einsicht genommen. Sie stellt sich als die Arbeit eines Mannes von ausgebreiteter Bildung dar. Hiermit erschöpft sich, was ich darüber sagen kann. Mit arabisch-persischer Philologie habe ich mich nur insoweit befasst, als dieselbe den Entwicklungsgang der abendländischen Spekulation beeinflusst hat, und auch nur in der Gestalt, in der dies geschah, d.h. in den mittelalterlichen lateinischen Übersetzungen. Was der Verf. hier aus den g. T. auch ungedruckten Originalwerken bietet, geht darüber weit hinaus und gibt nicht nur ein viel umfassenderes, sondern auch ein viel mannigfaltigeres Bild. M.gl.g.B. das über Avicenna beigebrachte. Aber ein Urteil über den wissenschaftlichen Wert der Arbeit kann ich nicht fällen, da ich nirgendwo nachprüfen kann und auch nicht im Stande bin, die Zweifel zu begründen, die mir da und dort aufgestiegen sind, ob der Verf. die Gedanken der von ihm behandelten Philosophen richtig wiedergeben hat. Da aber ein günstiges Urteil von kompententer Seite vorliegt, so will ich mich dem Antrag des Herrn Kollegen Hommel auf Zulassung des Verfassers zum Examen rigorosum anschliessen. Die mündliche Prüfung kann dann auch Aufschluss darüber geben, wie weit die Bekanntschaft des Verf. mit griechischer Philosophie reicht, und aus der Arbeit nicht mit Sicherheit erkannt werden kann, sooft auch darin von "griechischer Philosophie" die Rede ist.- Der Vorschlag des Herrn Kollegen Hommel über die Einrichtung der mündlichen Prüfung scheint mit zweckmässig, entspricht aber nicht der bisherigen Praxis und bedarf daher wohl eines Fakultätsbeschlusses.

Hertling

I have inspected Professor Iqbal's thesis with interest. It presents itself as the work of a man with an extensive education. Here ends what I can say about it. I have occupied myself with Arabic-Persian philology only as far as these influenced the development of the occidental philosophy, and here only in the manner in which this happened, i.e. in the medieval Latin translations. What the author presents here, and that largely from unpublished orignal works, exceeds the foregoing by far: and it does not merely produce a more extensive but also a more manifold picture. This is also valid for what has been said about Avicenna. But I cannot judge the scientific value of the thesis, since cannot check anywhere and am not in a position to substantiate the doubts that appeared here and there as to whether the author has correctly reproduced the thoughts of the philosophers dealt with by him. However, since a favourable judgement by a competent source is lying before us, I will support the proposal of my colleague Hommel to admit the author to the oral Ph.D. examination. The oral examination may then give information as to how far the author's acquaintance with the Greek philosophy extends and which cannot be concluded from his thesis with certainty, even though "Greek philosophy" is much dealt with therein. - The proposition of my colleague Hommel concerning the procedure of the oral examination appears to be convenient, but does not conform to established practice and therefore supposedly requires a decision by the Faculty.

(sd) Hertling

دستاویز - ۵

Zur Fällung eines selbständigen Urteils über die Arbeit
bin ich nicht im Stande. Ich schliesse mich wie Herr
Kollege von Hertling dem Antrag des Kollegen
Hommel auf Zulassung an. Was die mündliche
Prüfung bzw. Herrn Kollegen Hommels darauf bezüglichen
Vorschlag angeht, so meine auch ich, dass ein
besonderer Fakultätsbeschluss nötig sein wird
was soll als „Hauptfach" gelten.

Th. Lipps

Zur Fällung eines selbständigen Urteils über die Arbeit bin ich nicht im Stande. Ich schliesse mich wie Herr Kollege von Hertling dem Antrag des Kollegen Hommel auf Zulassung an. Was die mündliche Prüfung bzw. Herrn Kollegen Hommels darauf bezüglichen Vorschlag angeht, so meine auch ich, dass ein besonderer Fakultätsbeschluss nötig sein wird was soll als "Hauptfach" gelten.

Th.Lipps

I am not in a position to pass an independent judgement concerning the thesis. I support, as does my colleague von Hertling, the proposal of our colleague Hommel for admission. Concerning the oral examination, and the suggestion of our colleague Hommel referring thereto, I am also of the opinion that a special decision by the Faculty will be required with respect to what should be considered as the 'Principal Subject'.

(sd) Th. Lipps

Ich kann mich dem Antrage des Herrn Collegen Hommel unbedenklich anschliessen, dass Herr Iqbal auf Grund seiner Arbeit zum mündlichen Examen zugelassen werde. Die Abhandlung ist sichtlich mit grossem Fleiss und voller Sachkenntnis ~~[illegible]~~ zusammengestellt und verdient schon deswegen unsere Aufmerksamkeit, weil sie zeigt, wie ein europäisch gebildeter Orientale sich mit diesen Fragen auseinandersetzt. Über die Darstellung des Zoroastrismus, Manichäismus u.s.w. liesse sich manches streiten, doch kommt das bei dem geringen Umfang dieser einleitenden Abschnitte wenig in Betracht. Der Verfasser wird sie wohl den von Herrn Collegen Hommel hervorgehobenen Bemerkungen vielleicht noch in einzelnen Punkten verbessern können.

Da der Verfasser am 10. November wieder in England sein möchte, schlage ich vor, dass er Orientalische (arabische) Philologie als Hauptfach, Philosophie als eines der Nebenfächer wähle, wobei wohl am besten Herr v. Hertling in diesem Nebenfach prüfen würde. Es bedürfte dann keines Fakultätsbeschlusses seitens.

M., 28/10 07.

E. Kuhn.

Soeben erfahre ich, dass Mittwoch Fakultätssitzung — also am 30

Nessus. 27/10

G. d.!

Zur Zulassung und Erledigung der Anfrage in der Fakultätssitzung 28/X. 07.

Vollmer

Ebenso Krumbacher

v. [illegible]

[illegible]

Riegler

[illegible]

Schick

[illegible]

Muncker

[illegible]

Friedrich

Saul

Heigel

[illegible]

[illegible]

Grauert

Ich kann mich dem Antrage des Herrn Collegen Hommel unbedenklich anschliessen, dass Herr Iqbál auf Grund seiner Arbeit zum mündlichen Examen zugelassen werde. Die Abhandlung ist sicherlich mit grossem Fleiss und voller Sachkenntnis zusammengestellt und verdient schon deswegen unsere Aufmerksamkeit, weil sie zeigt, wie ein europäisch gebildeter Orientale sich mit diesen Fragen auseinandersetzt. Über die Darstellung des Zoroastismus, Manichaeismus u.v.w. liesse sich manches bemerken, doch kommt das bei dem geringen Umfang dieser einleitenden Abschnitte wenig in Betracht. Der Verfasser wird sie nach den vom Collegen Hommel hinzugesetzten Literaturangaben vielleicht noch in einzelnen Punkten verbessern können.

Da der Verfasser am 10. November wieder in England sein möchte, schlage ich vor, dass er orientalische (arabische) Philologie als Hauptfach, Philosophie als eines der Nebenfächer wähle, wobei am besten Herr v. Hertling in diesem Nebenfach prüfen würde. Es bedürfte dazu keines Fakutätsbeschlusses weiter.

Sa., 26/10 '07 E. Kuhn

Soeben erfahre ich, dass Mittwoch Fakultätssitzung - also um so besser.

27/10 E.K.

Für Zulassung und Erledigg der Formfrage in der Fakultätssitzg.

28/X.07 Vollmer

Ebenso	Krumbacher*	Ebenso	....	Riezler
	v. Brising	"	....	Pöhlmann
		"	....	Schick
		"	....	Rahm ?
		"	....	Muncker
		"	....	Auring ?
		"	....	Friedrich
		"	....	Paul*
		"	....	Neigels ?
		"	....	Wegmann
		"	....	Striehl ?
		"	....	Grauert

*Remark by the translator:

K.Krumbacher, b. Kürnach 23 Sept. 1856, d. Munich 12 Dec. 1909; Byzantologist; since 1892, Professor in Munich.

H Paul, b. Salbke 7 Aug. 1846, d. Munich 29 Dec. 1921; Linguist.

I can support the proposal of my colleague Hommel without hesitation that Mr. Iqbal be admitted to the oral examination on the basis of his thesis. The dissertation was certainly compiled with much diligence and knowledge and clearly deserves our attention, because it shows how an Oriental person educated in Europe understands these questions. Concerning the presentation of Zoroastrianism, Manichaeism, etc., much could be said; but this hardly comes into question considering the brevity of these introductory chapters. The author may yet be able to improve them to a certain extent by taking into account the literature references added by my colleague Hommel. Since the author would like to be back in England on November 10, I suggest that he chooses Oriental (Arabic) Philology as the Principal Subject, and Philosophy as one of the Subsidiary Subjects, in which Mr. v. Hertling should preferably examine him. This should not require any further decision by the Faculty.

Sat., 26/10 '07 (sd) E. Kuhn

I have just heard that there will be a Faculty meeting on Wednesday - all the better.

27/10 (sd) E.K.

In favour of admission and settlement of the formal question in the Faculty meeting

28/X.07 (sd) Vollmer

I agree (sd) Krumbacher
v. Brising

I agree (sd)....Riezler
" ?...........
" ....Schick
" ?...........
" ....Muncker
" ?...........
" ?...........
" ....Paul
" ?...........
" ....Wegman
" ?...........
" ....Grauert

[Note by author: ? stands for illegible signatures]

8.

Herr Iqbal soll in orientalischer (arabischer) Philologie als Hauptfach, in Philosophie u. engl. Philologie als Nebenfächern geprüft werden

Fakultatssitzung

8.

Herr Iqbal soll in orientolischer (arabischer) Philologie als Hauptfach, in Philosophie u. engl. Philologie als Nebenfächern gepruft werden.

Faculty meeting

8.

Mr Iqbal shall be examined in Oriental (Arabic) Philology as the Principal Subject, in Philosophy and English Philology as Subsidiary Subjects.

دستاویز - ۸

Protokoll

über das Examen rigorosum des Herrn S. M. Iqbal

abgehalten am Montag den 4ten Nov. 1907
Nachmittags 5 Uhr im Senats- Sitzungs-Zimmer.

Anwesend die Herren Professoren:

1. Hommel Hommel
2. Lipps Lipps
3. Schick Schick
4. Kuhn Kuhn

und der unterzeichnete

Dekan. Dr. H. Bregmann

Nachdem die vorschriftsmässigen Einladungen ergangen waren, fand die Prüfung zur angegebenen Stunde statt. An derselben beteiligten sich

das Hauptfach Orientalische (arabische Philologie)
Herr Professor Hommel

für das Nebenfach Englische Philol.
Herr Professor Schick

für das Nebenfach Philosophie
Herr Professor Lipps

In der darauffolgenden Beratung erhielt der Kandidat folgende Noten:

im Hauptfache I Note.
im I. Nebenfache II „
„ II „ III „

Als Gesamtresultat wurde festgestellt:

Note II Nil

دستاویز - ۸

8

PROTOKOLL

über das Examen rigorosum des Herrn ....S.M. Iqbal..................

abgehalten am ..Montag...............den ....4 ten Nov...........1907

Nachmittags ....5.. Uhr im ...Senates... Sitzungs-Zimmer

Anwesend die Herren Professoren:

(Signed)

1. Hommel Hommel
2. Lippe Lippe
3. Schick Schick
4. Kuhn Kuhn

und der unterzeichnete

Dekan ..Dr. H. Breymann....

Nachdem die vorschriftsmässigen Einladungen ergangen waren, fand die Prüfung zur angegebenen Stunde statt. An derselben beteiligten sich für

das Hauptfach ...Orientalische (arabische) Philologie

Herr Professor ....Hommel.....................

....

für das Nebenfach ..Englische Philol.........

Herr Professor ....Schick..................

für das Nebenfach ..Philosophie...............

Herr Professor ....Lippe...................

In der darauffolgenden Beratung erhielt der Kandidat folgende Noten:

im Hauptfache .... I Note

im I. Nebenfache .... II Note

" II " .... III Note

....

Als Gesamtresultat wurde festgestellt:

Note .... II Note ....

....

دستاویز - ۸

-8-

R E C O R D .

of the oral examination of Mr: ......J.M. Iqbal..................

held on ...Monday.............the ....4th Nov.....................1907

in the .after. noon at ....5.. o'clock in the ...Senate... Meeting Room

Present the Professors:

		(Signed)
1.	Hommel	Hommel
2.	Lippe	Lippe
3.	Schick	Schick
4.	Kuhn	Kuhn

and the undersigned

Dean...Dr H. Breymann...

Subsequent to the invitation being issued according to regulations, the examination took place at the specified hour. In the same participated for

the Principal Subject.Oriental (Arabic)..... Philology

Professor...Hommel.........................

....

for the Subsidiary Subject English Philology

Professor ..Schick.........................

for the Subsidiary Subject .Philosophy.....

Professor ..Lippe..........................

In the following consultation the candidate obtained the following marks:

in the Principal Subject	Mark I
in the 1st Subsidiary Subject	Mark II
in the 2nd Subsidiary Subject	Mark III

As overall result was determined:

Mark II

Dekanat
der k. philosophischen Fakultät
I. Sektion.

München, den 4. Nov 1907

An
das k. Universitäts-Rektorat.

Doktor-Promotion betreffend.

Nachdem Herr S. M. Iqbal
aus Sialkot

über die für Zulassung zur Doktor-Promotion erforderliche wissenschaftliche Vorbildung sowie über die vorgeschriebenen Universitätsstudien durch Zeugnisse sich ausgewiesen, eine von der philosophischen Fakultät I. Sektion genehmigte Abhandlung
- Development of Metaphysics in Persia

in gehöriger Weise vorgelegt, endlich die Doktor-Prüfung mit der Note II bestanden hat, so stellt der unterzeichnete Dekan an Eure Magnifizenz den Herrn Rektor als Prokanzler der Universität das gehorsamste Ansuchen, die Erlaubnis zur Vornahme der Promotion erteilen zu wollen.

Dr H. Bergmann

Der Dekan der phil. Fakultät
I. Sekt.

Genehmigt

Der derzeitige Rektor [signature]

دستاویز - ۹

9

München, den 4. Nov. 1907

Dekanat
der k. philosophischen Fakultät
I. Sektion

An
das k. Universitäts - Rektorat.
Doktor - Promotion betreffend.

Nachdem Herr S.M. Iqbal
aus Sialkot

über die für Zulassung zur Doktor-Promotion erforderliche wissenschaftliche Vorbildung sowie über die vorgeschriebene Universitätsstudienzeit durch Zeugnisse sich ausgewiesen, eine von der philosophischen Fakultät I. Sektion approbierte Abhandlung:

Development of Metaphysics in Persia

in gehöriger Weise vorgelegt, endlich die Doktor-Prüfung mit der Note II bestanden hat, so stellt der unterzeichnete Dekan an seine Magnifizenz den Herrn Rektor als Prokanzler der Universität das geziemende Ansuchen, um Erlaubnis zur Vornahme der Promotion urteilen zu wollen.

(sd) Dr H. Breymann
z.Z. Dekan der phil. Fakultät
I. Sektion

Genehmigt.
Der derzeitige Rektor: (sd) Endres

دستاویز - ۹

-9-

Munich, 4 Nov. 1907

Office of the Dean
of the Royal Philosophical Faculty
Section I

To
the Office of the Chancellor of the Royal University
Regarding a doctoral degree.

Pursuant to Mr S.M. Iqbal
from Sialkot

having proved by certificates the scientific education as well as the specified time of study at a unviersity required for a doctoral degree, and submitted in accordance with regulations a thesis:

Development of Metaphysics in Persia

approved by the Philosophical Faculty Section I, (and having) finally passed the Ph.D. examination with the Mark II. so the undersigned Dean files the present application with the Chancellor, as Pro-Chancellor of the University, (for him) to pass judgement on the permission regarding the doctoral graduation.

(sd) Dr H. Breymann
at present Dean of the Philosophical Faculty
Section I

Approved
The present Chancellor: (sd) Endres



[Munich
31 Oct. 1907]

The Dissertation is approved. The oral exam. (?) will be held soon. I hope to reach London before the 10 th of Nov. So don't be anxious about the matter.

(sd) Iqbal

Postcard addressed to:

T.W.Arnold Esqr.
India Office Library
Whitehall
<u>Westminster Bridge</u>
<u>London.</u> (England)


Postkarte

Thanks for your letter. Reaching London on the morning of the 7th & hope to meet you in the office the same day. There is no reason to be anxious. I had decided to leave before I received news from the University.
Iqbal

T. W. Arnold Esq. M.A.
India Office Library
Whitehall
Westminster Bridge
London. (England)

[Munich
3 Nov. 1907]

Thanks for your letter. Reaching London on the morning of the 7 th & hope to meet you in the office the same day. There is no reason to be anxious. I had decided to leave before I received news from the University.

(sd) Iqbal

Postcard addressed to:

T.W. Arnold Esq. M.A.
India Office Library
Whitehall
<u>Westminster Bridge</u>
<u>London.</u> England


TUCK'S POST CARD
CARTE POSTALE. POSTKARTE
If sent Abroad, this Space may only be used for Name and Address of Sender.
(For Address Only.)
Please let me have a line about you
Iqbal
T.W. Arnold Esqr
India Office Library
Whitehall
London S.W.

[Cambridge
16 Oct.1906]

Please let me have a line about you

(sd) Iqbal

Postcard addressed to:

T.W Arnold Esqr
India Office Library
Whitehall
<u>London</u> S.W.

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 4 p.m. on Friday, 6 October 1905.

Present: Professor Sorley (in the Chair), Professor Ward, Dr. Keynes, Dr. McTaggart, & Mr. Rivers.

. The minutes of the last meeting were read and confirmed.

2. An application was received from Muhammad Igbal, M.A., of the Panjab University, for admission as an Advanced Student to a Course of Research, the subject proposed being "the genesis & development of metaphysical conceptions in Persia."

It was decided to grant the application.

It was agreed to request Dr. McTaggart to direct the studies of the student; & Dr. McTaggart consented to do so.

16 March 1906 W R Sorley

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 4 p.m. on Friday, 6 October 1905.

Present : Professor Sorley (in the Chair), Professor Ward, Dr. Keynes, Dr. McTaggart, & Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.

2. An application was received from Muhammad Igbal (sic), M.A., of the Panjab University, for admission as an Advanced Student to a Course of Research, the subject proposed being "the genesis and development of metaphysical conceptions in Persia".

It was decided to grant the application.

It was agreed to request Dr. McTaggart to direct the studies of the student; and Dr. McTaggart consented to do so.

16(?) 17(?) March 1906 (Sd) W R Sorley

To

The Senior Tutor
Trinity College
Cambridge.

Sir,

I desire to enter the University of Cambridge as a research student. I passed the M A. Examination of Philosophy in The Punjab University in 1899. The following year I was appointed McLeod Arabic Reader by that University and attached to the staff of The Lahore Oriental College, and in 1903 was appointed Assistant Professor of Philosophy in The Lahore Government College. As evidence of my previous study and attainments I beg to state that I wrote a dissertation entitled "The Doctrine of Absolute Unity as explained and defended by Abdul Karīm Al-Jīlanī",* which was printed in the Indian Antiquary (Vol XXIX [1900] p. 237 ff.), a copy of which will be sent to you in a day or two.

My knowledge of Arabic and Persian and my acquaintance with European Philosophy (the study of which I began 12 years ago) suggest to me that I might make a contribution to the knowledge in the west, of some branch of Muhammadan Philosophy. I would propose as a subject of Research - "The genesis and developement of Metaphysical concepts in Persia", or some contribution to the knowledge of Arabic Philosophy which the University might approve.

I beg further to say that I have attained the age of 21 years. The certificates required are also enclosed herewith.

Hoping that you will kindly place my application before the proper authorities

I beg to remain,
Sir,
Your most obedient Servant
Muhammad Iqbal M.A
69 Shepherds Bush Rd
London W.

29 th Sep : 1905

* *Note from author*: In his PhD thesis for Munich - though not in his Cambridge dissertation - viz. ***The Development of Metaphysics in Persia***, Iqbal has corrected this name to Al-Jīlī (see Luzac & Co.: London 1908 edition, pp.150 et seq.), as pointed out in my book (اقبال یورپ میں). -*SAD*, 16.09.1993.

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Thursday, March 7, 1907.

Present: Dr. Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley, Dr. McTaggart, Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed
2. Prof. Sorley and Mr. Nicholson (or, in the event of Mr. Nicholson's declining to serve, of Professor Browne) were appointed referees for a dissertation submitted by Mr. Iqbal, a Research Student, on "The development of metaphysics in Persia.
3. It was agreed to ask Prof. Sorley to communicate with Mr. Nicholson with reference to the Dissertation.

J. N. Keynes
7 May 1907

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Thursday, March 7, 1907.

Present : Dr. Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley, Dr. McTaggart, Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.

2. Prof. Sorley and Mr. Nicholson (or, in the event of Mr. Nicholson's declining to serve, Professor Browne), were appointed referees for a dissertation submitted by Mr. Igbal(sic), a Research Student, on "The development of metaphysics in Persia.

3. It was agreed to ask Prof. Sorley to communicate with (?) Mr Nicholson with reference to the Dissertation.

(Sd) J.N. Keynes

7 May 1907

A Meeting of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 2.30 p.m. on Tuesday, May 7th, 1907.
Present. Dr Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley, Dr McTaggart and Mr Rivers.
1. The minutes of the last meeting were read & confirmed.
2. The Lecture-list for the year 1907-8 was approved.
3. A ~~Application~~ letter was received from Mr. [illegible] of Trinity College

— . — . — . — . — . —

"worked in in close proximity to the Department of Physiology".

J. N. Keynes
Chairman

15 May 1907

A Meeting of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings at 2.30 p.m. on Tuesday, May 7th, 1907.

Present : Dr. Keynes (in the Chair), Prof. Ward, Prof. Sorley Dr. McTaggart and Mr. Rivers.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.

2. The Lecture list for the year 1907-8 was approved.

....

(Sd) J. N. Keynes

Chairman

15 May 1907

A meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Tuesday, May 7, 1907 after the meeting of the Board.

The same members were present.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed
2. Reports on Mr Iqbal's dissertation on the "Development of Metaphysics in Persia" 1. from Prof. Sorley and Mr Nicholson having been read, it was agreed unanimously that "in the opinion of the Board the dissertation is of distinction and an original contribution to learning".

J. N. Keynes
Chairman

30 October 1907

---

72 Approval of work submitted by J. Howells (Christ's) by Sp.Bd for Oriental Studies 21 Nov. 1906.

73 Approval of work submitted by S. M. Iqbal. Trin by Sp.Bd for Moral Science. 7 May 1907.

دستاویز ۔ ۱۷

A Meeting of the Degree Committee of the Special Board for Moral Science was held at Syndicate Buildings on Tuesday, May 7, 1907 ater the Meeting of the Board.

The same members were present.

1. The minutes of the last meeting were read and confirmed.

2. Reports on Mr. Iqbal's dissertation on the "Development of Metaphysics in Persia" from Prof. Sorley and Mr. Nicholson having been read, it was agreed unanimously that "in the opinion of the Board the dissertation is of distinction as an original contribution to learning".

(Sd) J. N. Keynes
Chairman

30 October
1907

73 Approval of work submitted by S. M. Iqbal. Trin. by Sp Bd for Moral Science. 7 May 1907.

دستاویز - ۱۸

72.

Advanced Student : Work approved

The Degree Committee of the Special Board for Moral Science are of opinion that the work submitted by

Sheikh Muhammad Iqbal, of Trinity College, Advanced Student,

consisting of a Dissertation entitled "Development of Metaphysics in Persia";

is of distinction as an original contribution to learning.

J. N. Keynes,
Chairman of the Special Board for Moral Science.

7 May. 1907.

73.

Advanced Student : Work approved

The Degree Committee of the Special Board for Moral Science are of opinion that the work submitted by

Sheikh Muhammad Iqbal, of Trinity College, Advanced Student,

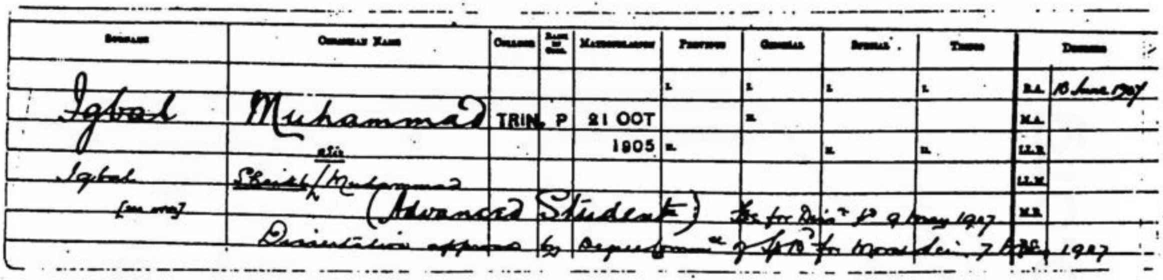
consisting of a Dissertation entitled

"Development of Metaphysics in Persia",

is of distinction as an original contribution to learning.

(Sd) J. N. Keynes,
Chairman of the Special
Board for Moral Science.

7 May 1907.



SURNAME	CHRISTIAN NAME	COLLEGE	RANK IN COLL.	MATRICULATION	PREVIOUS	GENERAL	SPECIAL	TRIPOS		DEGREES
Igbal	Muhammad	TRIN.	P	21 OCT	I.	I.	I.	I.	B.A.	13 June 1907
						II.			M.A.	
	Sir			1905	II.		II.	II.	LL.B.	
Iqbal	Sheikh Muhammad								LL.M	
[see over]					III.				M.B.	
									B.C.	

(Advanced Student) Fee for Dissn. pd. 9 May 1907
Dissertation approved by Degree Commee of Sp Bd for Moral Sci. 7 May 1907

دستاویز - ۲۰

Deceased: v. Times 22 Apr. 1938.
'Who's Who' 1938 – he appears as
Muhammad Iqbal, Sheikh Sir.

Deceased: v. Times 22 Apr. 1938
'Who's Who' - he appears as
<u>Muhammad Iqbal, Sheikh Sir.</u>

[sd: Illegible]

SUB AUSPICIIS GLORIOSISSIMIS

AUGUSTISSIMI AC POTENTISSIMI DOMINI DOMINI

OTTONIS 8103

BAVARIAE REGIS

COMITIS PALATINI AD RHENUM BAVARIAE FRANCONIAE ET IN SUEVIA DUCIS CET.

IN INCLYTA UNIVERSITATE LUDOVICO-MAXIMILIANEA MONACENSI

RECTORE MAGNIFICO

PLURIMUM REVERENDO AC DOCTISSIMO ET ILLUSTRISSIMO VIRO

MAXIMILIANO ENDRES

OECONOMIAE PUBLICAE DOCTORE POLITICAE ET HISTORIAE SILVATICAE PROFESSORE PUBLICO ORDINARIO [illegible]

PROMOTOR LEGITIME CONSTITUTUS
EXPERIENTISSIMUS ET SPECTATISSIMUS VIR

HERMANNUS WILHELMUS BREYMANN

PHILOSOPHIAE DOCTOR PHILOLOGIAE ROMANICAE AC FRANCOGALLICAE PROFESSOR PUBLICUS ORDINARIUS [illegible]

FACULTATIS PHILOSOPHICAE SECT. I P. T. DECANUS ET PROMOTOR LEGITIME CONSTITUTUS

PRAECLARO ET PERDOCTO VIRO AC DOMINO

SHEIKH MUHAMMAD IQBAL

EX OPPIDO SIALKOT

EXAMINIBUS RIGOROSIS MAGNA CUM LAUDE SUPERATIS

DISSERTATIONE INAUGURALI SCRIPTA TYPISQUE MANDATA

„THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA"

DOCTORIS PHILOSOPHIAE GRADUM

CUM OMNIBUS PRIVILEGIIS ATQUE IMMUNITATIBUS EIDEM ADNEXIS

DIE IV MENSIS NOVEMBRIS MDCCCCVII

EX UNANIMI ORDINIS PHILOSOPHORUM SECT. I DECRETO CONTULIT.

IN HUIUS REI TESTIMONIUM HOC PUBLICUM DIPLOMA SIGILLIS MAIORIBUS REGIAE LITERARUM UNIVERSITATIS ET FACULTATIS PHILOSOPHICAE ADIECTIS FACULTATIS EIUSDEM DECANUS ATQUE RECTOR MAGNIFICUS UNIVERSITATIS IPSI SUBSCRIPSERUNT.

LS LS

English Translation of
Sheikh Muhammad Iqbal's PhD Certificate (University of Munich)
from the Original Latin

Under the most glorious auspices
of the most august and powerful lord

OTTO, KING OF BAVARIA

Count of the Rhine Palatinate, Bavaria, Franconia and also Duke of Swabia

In the glorious University of Ludwig Maximilian in Munich
Under the Rector Magnificus
the greatly revered, most learned and illustrious man

MAXIMILIAN ENDRES

Doctor of Economics, and Public Professor Ordinarius[1] of Silvatic[2] Politics and History

The legitimately constituted Promotor
the most experienced and well-proven man

HERMANN WILHELM BREYMANN

Doctor of Philosophy, Public Professor Ordinarius of Romanic and French Philology

Knight of the Order of Merit (Class III) of St Michael, and also Doctor of Laws

Acting[3] Dean of the Faculty of Philosophy (Section I), and legitimately constituted Promotor

To the famous and learned man and exalted person[4]

SHEIKH MUHAMMAD IQBAL

from the town of Sialkot
After he had passed the rigorous examinations **with great praise (MAGNA CUM LAUDE)**
and having written and ordered to be printed his inaugural dissertation:

"The Development of Metaphysics in Persia"

Awarded the

Degree of Doctor of Philosophy

With all the privileges and exemptions that pertain to it
On the 4th Day of the Month of November 1907
By the unanimous decree of Section I of the Order of Philosophers

As a testimony of this award, this public diploma, to which are attached the High Seals with the Royal Letters of the University and the Faculty of Philosophy, did the Dean of this Faculty and the Rector Magnificus of the University sign [this document].

Translated by: Dr Christian W Troll
and Dr S A Durrani

Footnotes:

1. Professor Ordinarius is the normal or Full Professor (باقاعدہ - as against extra-ordinary or additional, temporary, etc.)

2. Silvatic literally means 'savage'. It probably indicates 'non-Greco-Roman' (e.g. 'European' languages, etc.). A parallel is عجمی or non-Arab - who were regarded by the Arabs as گونگی زبان (i.e. unable to speak properly).

3. Acting: in the original document, P.T. (i.e. *pro tempore*)

4. In the original, Domino (i.e. Mr, Lord, etc: جناب).

مس ایما ویگے ناسٹ



عالمِ شباب



عالمِ پیری



ہائیڈل برگ میں علامہ کی قیام گاہ

(۱۹۰۷ء)



مسز ایڈتھ شمٹ' ویگے ناسٹ اور ڈاکٹر سعید اختر درانی
(ڈسل ڈورف میں)



مسز املسا وینگے ناسٹ کے ساتھ ملاقات



خانوادہ دیگے تاسٹ (۱۹۴۹ء)



پروفیسر ہیلا کرش ہوف



صوفی دیگے ناسٹ کی سویں (۱۰۰) سالگرہ کی پارٹی



میونخ میں علامہ کی قیام گاہ پر یادگاری تختی کی تنصیب



ڈاکٹر بوزاش ، مصنف کے ساتھ محو گفتگو



ڈاکٹر سعید اختر درّانی برمنگھم یونی ورسٹی، انگلینڈ، میں ایک طویل عرصے تک شعبۂ طبیعیات کے استاد رہنے کے بعد حال ہی میں ان فرائض سے سبک دوش ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم ایس سی کرنے کے بعد انھوں نے کیمبرج یونی ورسٹی سے نیوکلیئر فزکس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ واپسی پر پاکستان اٹامک انرجی سے منسلک ہوئے اور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۵ء تک اٹامک انرجی سینٹر لاہور کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔

ڈاکٹر درانی کا خاص میدانِ تحقیق **Radiation Physics** یعنی طبیعیاتِ تاب ریزی ہے۔ انھوں نے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۸ء تک امریکی اور روسی ماہ نوردوں کے لائے ہوئے مہتابی مواد پر بحیثیت محقق اعلیٰ **(Principal Investigator)** تحقیقی کام کیا، جس کے اعتراف میں ۱۹۸۲ء میں حکومتِ پاکستان نے انھیں ''ستارۂ امتیاز'' کا اعزاز عطا کیا، اور برمنگھم یونی ورسٹی نے ۱۹۷۸ء میں ڈی ایس سی کی ڈگری دی۔ وہ ایک بین الاقوامی تحقیقی مجلّے **Nuclear Tracks and Radiation Measurments** کے بانی اور مدیرِ اعلیٰ ہیں، اور جوہری نقوش **(Nuclear Tracks)** کے موضوع پر ایک عہد ساز کتاب کے مصنف بھی، جو آکسفورڈ سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی اور روسی زبان میں ترجمہ ہوچکی ہے۔ چند تازہ تر سائنسی کتابوں کے علاوہ طبیعیات کے میدان میں مختلف موضوعات پر ان کے تین سو سے زائد تحقیقی پرچے دنیا کے اہم سائنسی مجلّوں میں شائع ہوچکے ہیں۔

سائنس کی دنیا میں معرکہ آرائی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر سعید اختر درانی کو علامہ اقبال کے کلام و پیام اور کوائف حیات سے بھی بہت عقیدت و شغف ہے۔ اقبال صدی کے دوران انھوں نے برطانیہ میں جشنِ اقبال کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں، جن کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے ۱۹۷۷ء میں ان کو ''تمغۂ اقبال'' عطا کیا۔ اسی جشن کی مناسبت سے انھوں نے اِیَن اسٹیفنز کے ساتھ مل کر حکومتِ پاکستان کو کیمبرج یونی ورسٹی میں ایک ''مسندِ اقبال'' قائم کرنے کی تجویز کی تھی۔ ۱۹۸۷ء کے آغاز سے ڈاکٹر درانی اقبال اکیڈمی (یوکے) کے صدر نشین بھی ہیں۔ ان کے زیر صدارت ہونے والے کارناموں میں کئی ایک بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد، علامہ اقبال پر کتابوں کی اشاعت اور ان کے اردو و فارسی کلام کے انتخابات پر مشتمل کیسٹ اور **CD** کا بنوانا شامل ہیں۔ ڈاکٹر درانی کی ایک اور کامرانی علامہ اقبال کی ایک شبیہہ **(Portrait)** کا اقبال کی پرانی درس گاہ، ٹرنٹی کالج کیمبرج، میں ایک پرشکوہ تقریب کے ساتھ نومبر ۱۹۹۳ء میں ایک ممتاز مقام پر آویزاں کرانا ہے۔ (جو ان کی اکیڈمی نے شہرۂ آفاق پاکستانی مصور جناب گل جی سے خاص اس مقصد کے لیے بنوائی تھی)۔ مزید برآں، وہ اقبال فاؤنڈیشن (یورپ کے نائب صدر بھی ہیں، جس کی صدر نشین پروفیسر انیماری شمل تھیں، جن کا حال ہی انتقال ہوا ہے۔

ISBN : 81-7160-117-0